خاتونِ اول

سیدۃ خدیجہ رضی اللہ عنہا

کی زندگی کے

سنہرے واقعات

عبدالمالک مجاہد

دار السلام
DARUSSALAM
اسلامی کتب کا نیا انداز

خاتونِ اوّل

سیّدۃ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے سُنہرے واقعات

عبدالمالک مجاہد

خاتونِ اوّل

سیّدۃ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے سُنہرے واقعات

عبدالمالک مجاہد

DARUSSALAM

دارُالسّلام
کتاب وسُنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاهور • کراچی
اسلام آباد • لندن • هیوسٹن • نیو یارک

DARUSSALAM
دارُالسّلام
کتاب وسُنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعُودی عرب (هیڈآفس)

پوسٹ بکس:22743 الرّیاض:11416 سعودی عرب فون:4033962-4043432 1 00966 فیکس:4021659
info@darussalamksa.com riyadh@darussalamksa.com
www.darussalamksa.com

- الرّیاض۔ العُلیا۔ فون:4614483 01 فیکس:4644945
- الملز فون:4735220 01
- سویلم فون:2860422 01
- مندوب الریاض: موبائل: 0503459695
- قصیم (بریدہ): فون/فیکس:3696124 06 موبائل:0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948
- مدینہ منورہ فون:8234446 04 فیکس:8151121 موبائل:0504296740
- جدّہ فون:6879254 02 فیکس: 6336270
- الخُبر فون:8692900 03 فیکس:8691551
- ینبع البحر فون/فیکس:3908027 04
- خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 07

شارجہ فون:5632623 6 00971 امریکہ ہیوسٹن:7220419 713 001 • نیویارک:6255925 718 001
لندن فون:4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون:4040 9758 2 0061

پاکستان هیڈآفس ومرکزی شورُوم

36-لوئرمال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 37232400-37240024-37324034 42 0092 فیکس:37354072 موبائل:0322-8484569
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

- غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون:37120054 فیکس:37320703 موبائل :0321-4439150
- Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون :35692610 موبائل:0321-4212174

کراچی مین طارق روڈ،(D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دُوسری گلی، کراچی
فون:34393936 فیکس:34393937 موبائل:0321-2441843

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس :2281513 موبائل:0321-5370378

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مجاهد ، عبدالمالك
قصص ذهبية من حياة سيده خديجه رضي الله عنها/
عبدالمالك مجاهد - الرياض ، ١٤٣٢هـ
ص:٢٢٤،مقاس ١٧ x ٢٤ سم
ردمك: ٩-١٦٤-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨
(الكتاب باللغة الأردية)
١-خديجه بنت خويلد ، ت ٣ ق ، هـ ٢-زوجات النبى أ.العنوان
ديوي ٢٣٩,٧ ١٤٣٢/١٠٠٤١

رقم الإيداع: ١٠٠٤١/ ١٤٣٢
ردمك: ٩-١٦٤-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ

(الاحزاب:6)

نبی ﷺ مومنوں پر اُن کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور ان کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

ھدیہ

میں یہ نہایت خوبصورت اور اہم کتاب

محترم / محترمہ ....

کو بطور تحفہ پیش کرتا ہوں / کرتی ہوں۔ امید ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر ان شاء اللہ آپ کے اخلاق و کردار اور اہل بیت کے ساتھ محبت میں نمایاں فرق آئے گا۔

منجانب: ....

....

تاریخ ....

انتساب

- ہر اس خاتون کے نام جو اپنے شوہر کی وفادار ہے اور اپنے رب کے حقوق ادا کرنے والی ہے۔
- ہر غیرت مند بیٹی کے نام جو شرم وحیا اور پاکدامنی کے زیور سے آراستہ ہے۔
- شرافت و وقار کی علامت ہر بہن کے نام جو اپنے بھائیوں اور والدین کے لیے فخر کا باعث ہے۔
- شفقت و محبت کی پیکر ہر ماں کے نام جو اپنی اولاد کی عمدہ تربیت کو سب سے بڑا فریضہ خیال کرتی ہے۔
- ہر اس شخص کے نام جو خاندان نبوت سے دل کی گہرائیوں سے محبت رکھتا اور انہی کے نقش قدم پر چلنے کی تمنا رکھتا ہے۔

فہرست عناوین

موضوع .... صفحہ نمبر

موضوع .... صفحہ نمبر

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عنوانات

موضوع .... صفحہ نمبر

موضوع .... صفحہ نمبر

فہرست عنا وین

عرض ناشر و مؤلف

دنیا بھر میں شائد ہی ایسا کوئی مسلمان ہو جو خاتون اول ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نام اور تذکرہ سے محروم رہا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ اسلامی کے اوراق گردانتے ہوئے ایسی بے شمار خواتین کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے شمع اسلام کی سربلندی اور دین حق کی دعوت کے لئے بے پناہ قربانیاں دیں اور تاریخ کے چہرے کو ضیاء بخشی تاہم ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ان عظیم خواتین سے عظیم تر تھیں کیونکہ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر پہلی وحی کا تذکرہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہما سے ہی کیا، اور کہا مجھے اپنی جان کا ڈر ہے تو اس عظیم خاتون نے اپنی عظمت، شان اور حکمت کے عین مطابق نبی آخر الزمان، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ میں حوصلہ اور تسلی دی۔۔۔۔۔۔

اللہ کی قسم ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا، کہ اللہ آپ کو ناکام اور نامراد کر دے اور آپ کی مدد نہ کرے کیونکہ آپ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، تھکے، ہارے اور درماندہ انسانوں کو ان کی منزل تک

پہنچاتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، بے ٹھکانہ مسافروں کو اپنا مہمان بناتے ہیں اور حق بجانب امور میں معین و مددگار رہتے ہیں۔

پھر صرف ان ہی جملوں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے سرتاج، شریک حیات اور محسن انسانیت کو مکمل یقین دلانے کے لئے انہیں اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور سارا واقعہ سنا کر اللہ کے رسول ﷺ کو مزید تسلی دی اور حق پر قائم رہنے کے لئے ہمت بندھائی۔

قارئین اکرام! میں اکثر اپنی اس عظیم ماں کی دانائی اور حکمت، وفاداری اور مجاہدانہ صلاحیتوں کا مطالعہ کر کے انہیں خراج تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ پاتا۔ دعوت اسلام کو پھیلانے میں ہماری اس ماں کا نہایت معتبر کردار اس کتاب کے اوراق میں تاریخ اسلام سے الفت رکھنے والوں کو میسر آئے گا۔

اس عظیم خاتون کی تمام خوبیاں ایک طرف، ان کی صرف یہی شان اور عظمت کافی ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی جانب سے خواتین میں اسلام کی دعوت سب سے پہلے ان ہی کو پیش کی گئی اور انہوں نے کسی بھی تردد کے بغیر اللہ کے رسول پر ایمان لاتے ہوئے پہلی خاتون مسلمان ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔

زمانہ جاہلیت میں بھی طاہرہ کے لقب سے مشہور ہونے والی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک بڑے سردار اور مالدار تاجر خویلد کی عظیم بیٹی تھیں۔ خاتون اول محض ایک تاجر ہی نہیں بلکہ نہایت مالدار، باوقار، ذہین، فطین، شریف، معاملہ فہم اور دور اندیش عورت تھیں۔

انہوں نے اپنا مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیا، رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کی نہایت عمدہ

تربیت کا حق ادا کیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مرتبہ اور مقام سمجھنے کے لئے یہی کافی ہے کہ رسول اللہ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خواتین کی جنت کی سردار کہا ہے وہ بطن خدیجہ سے ہی دنیائے فانی میں تشریف لائیں۔ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بہترین تربیت فرمائی، اللہ کے رسول کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اتنی محبت اور اس قدر لحاظ تھا کہ ان کی زندگی میں کوئی دوسری شادی نہیں کی۔

وہ بلاشبہ نہایت امیر کبیر شہزادی بلکہ ملکہ تھیں مگر شعب ابی طالب میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نہایت صبر و تحمل سے تین مشکل ترین سال گزارے۔

ان کے بارے میں اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے ان کے لئے جنت کے ایک محل کی خوشخبری سنائی ہے۔

قارئین اکرام! اگر سچ پوچھئے تو اس کتاب کے لکھنے کے دوران جب میں نے سیدہ کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا اور انہیں قلم بند کیا تو میرے دل میں مسلمانوں کی عظیم ماں کے لئے محبت، عقیدت اور قدر و منزلت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔

زیر نظر کتاب میں نے اپنی ان تمام ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کے لیے لکھی ہیں جو امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے اسوہ حیات کو جاننا چاہتی ہیں۔ یہ کتاب نوجوان نسل کے لیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت مشعل راہ ہے۔ یہ سنہرے واقعات کسی عام خاتون کے نہیں بلکہ سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کی زندگی کے سنہرے واقعات ہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس کتاب میں پوری کوشش کی گئی ہے کہ کوئی ضعیف یا موضوع روایت یا من گھڑت واقعہ نہ لکھا جائے۔ مگر اس کے باوجود بشری تقاضے اپنی جگہ موجود ہیں۔

قارئین کرام کی طرف سے کسی بھی ایسے واقعہ کی نشاندہی بڑے شکریے کے ساتھ قبول کی جائے گی جو صحیح روایات سے ثابت نہ ہو۔ کتاب لکھنے بیٹھا تو بعض احباب نے توجہ دلائی کہ اس عظیم خاتون کی اولاد کے بھی مختصراً حالات زندگی بیان کر دیے جائیں۔ چنانچہ سیدہ کے نواسوں، نواسیوں اور ان کی اولاد کا مختصر تذکرہ آپ کو مل جائے گا۔

اس کتاب کو ہم نے خوبصورت ڈیزائن، بہترین ورق، بائینڈنگ اور طباعت کے اعلیٰ معیار پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو الحمدللہ سیدہ کے ساتھ ہماری محبت کی ایک ادنیٰ کاوش ہے۔ ہم نے ان کتابوں کو "اسلامی کتب کا نیا انداز" کا نام دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس انداز میں سیدہ کی سیرت پہلے شائع نہیں ہوئی ہوگی۔

کتاب کی تیاری میں میرے ساتھ دارالسلام لاہور برانچ کے رفقاء کے علاوہ ہیڈ آفس کے سینیئر رفقاء جناب قاری محمد اقبال عبدالعزیز اور پروفیسر محمد ذوالفقار نے مکمل تعاون کیا۔ کتاب کے کئی پروف پڑھے، اور مختلف مراحل میں میری مدد اور رہنمائی کی میں ان کا شکر گزار ہوں۔

ڈیزائننگ کے لیے جناب شہزاد احمد نے بھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنی محبتوں کا ثبوت دیا اور بڑی محنت اور لگن سے کتاب کو ڈیزائن کیا۔ میں ان تمام احباب کا خصوصی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری اس کاوش کو اصلاح امت کا ذریعہ بنائے۔ (آمین یارب العالمین)

عبدالمالک مجاہد

الریاض، سعودی عرب

اکتوبر، 2011

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ کا نام خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تھا۔ ان کا تعلق قریش کے ایک ممتاز خاندان بنو اسد بن عبدالعزّٰی بن قُصَی سے تھا۔ اس طرح نسب اور شرف کے لحاظ سے یہ نہایت ہی بلند پایہ خاتون تھیں۔ نہ صرف دورِ اسلام میں بلکہ جاہلیت میں بھی ان کا لقب 'طاہرہ' تھا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اہل مکہ نے ان کے شرف اور اعلیٰ مقام کی بدولت سَيِّدَةُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ کا لقب دیا ہوا تھا،[1] پھر جب ان کی شادی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تو قرآن مجید نے ان کو ام المؤمنین کا خطاب دیا۔[2] اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں انہیں 'أَفْضَلُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ' کا لقب دیا ہے۔[3]

قصی پر جا کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا نسب آپس میں مل جاتا ہے۔ قصی بن کلاب وہ پہلے قریشی ہیں جنھوں نے مکہ مکرمہ میں قریش کی حکومت قائم کی۔ اس سے پہلے مکہ کی حکمرانی اور بیت اللہ کی تولّیت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔

[1] تاریخ دمشق: 14/66، والروض الأنف:1/327. [2] الأحزاب 33:6. [3] مسند أحمد: 1/293.

قصی کی مکہ واپسی

قصی کا اصل نام زید تھا، ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت سعد تھا۔ یہ ابھی دودھ پیتے بچے ہی تھے کہ ان کے والد کلاب کا انتقال ہوگیا۔ ان کی والدہ نے بنوعذرہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی۔ یہ قبیلہ شام کے اطراف میں رہائش پذیر تھا، اس لیے قصی کی والدہ اپنے بیٹے کے ہمراہ وہیں چلی گئی۔ قصی جب جوان ہوئے تو ان کا بنوعذرہ کے ایک شخص سے جھگڑا ہوگیا۔ اس نے قصی کو عار دلائی اور کہا، تمہارا ہمارے خاندان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ قصی اپنی والدہ کے پاس آئے اور ان سے اپنی حقیقت پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ یہ شخص ٹھیک کہتا ہے۔ بلاشبہ تمہارا اس خاندان سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر تمہارا خاندان عزت وشرف کے اعتبار سے بنوعذرہ سے کہیں بہتر ہے۔ تم قریشی ہو، تمہارا بڑا بھائی (زہرہ بن کلاب) اور دیگر کنبہ قبیلہ مکہ میں آباد ہے اور یہ لوگ بیت اللہ شریف کی ہمسائیگی میں رہتے ہیں۔ یہ سب جاننے کے بعد قصی موقع کی تلاش میں رہے اور پھر کچھ عرصے کے بعد ایک قافلہ انہیں مکہ مکرمہ جاتا ہوا مل گیا۔ وہ اس میں شامل ہو کر مکہ پہنچے اور اپنے بھائی زہرہ بن کلاب اور قبیلے سے آملے۔ یہاں وہ اپنی ذہانت اور محنت کے بل بوتے پر جلد ہی اپنی قوم میں محبوب ترین شخص بن

گئے۔ اس وقت مکہ کا والی حُلَیل بن حبشیہ خُزاعی تھا۔ قصی نے اس کی بیٹی حُبّی کا رشتہ طلب کیا۔ حلیل قصی کی شجاعت اور ذہانت سے بہت متاثر تھا لہذا اس نے آمادگی ظاہر کردی۔ حُبّی سے قصی کے چار بیٹے ہوئے: عبدالدار جن کے خاندان کے پاس آج تک بیت اللہ شریف کی چابی ہے۔ سردار عبدمناف جو اللہ کے رسول ﷺ کے جد امجد تھے اور عبدالعزی جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے جد امجد تھے اور عبدقصی ان کے چوتھے صاحبزادے تھے۔ حُلَیل کی وفات کے بعد بیت اللہ کی تولیت قصی کے پاس چلی گئی اور انہوں نے ہی مکہ میں دارالندوہ تعمیر کرایا جو اس دور میں پارلیمنٹ کا کام کرتا تھا۔

① الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 66/1 ـ 70 .

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خاندان بنواسد کا اعزاز

خاندان بنواسد قریش کے ان نو معزز خاندانوں میں سے تھا جن میں ملکی اور قومی اعزازات منقسم تھے۔ ایک اعزاز ''مشورے'' کا تھا جو اس خاندان کو حاصل تھا۔ دارالندوہ کا انتظام انہی کے سپرد تھا۔ مشورے سے مراد یہ تھی کہ جب قریش کو قومی اور ملکی مسائل درپیش ہوتے اور وہ اتفاق رائے سے کوئی کام کرنا چاہتے تو صلاح مشورے کے لیے اس خاندان کے پاس آتے۔[1] اس منصب پر آخری عہدے دار یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد تھے۔[2] بنوہاشم کے سوشل بائیکاٹ کے سلسلے میں جو صحیفہ لکھا گیا تھا اسے چاک کرنے میں زمعہ بن اسود نے بڑا نمایاں کردار ادا کیا تھا اور یہ زمعہ ہی تھے جنہوں نے ابوجہل سے کہا تھا: ''واللہ! تم غلط کہتے ہو، جب یہ صحیفہ لکھا گیا تھا تب بھی ہم اس سے راضی نہیں تھے۔''[3]

① تاريخ الطبري: 18/2، السيرة لابن هشام: 125/1.
② أسد الغابة: 339/4 . ③ السيرة لابن هشام: 376/1 .

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ ﷺ کے خاندانوں کی باہمی رشتے داریاں

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی جاننے سے پہلے ہم ان کے شجرۂ نسب پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ خاندان کتنا معزز اور محترم تھا اور اس کا اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کتنا گہرا تعلق تھا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دادا اسد بن عبد العزی کی بہت سی اولاد تھی۔ سب سے بڑے بیٹے مطلب تھے، پھر خویلد جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے۔ پھر نوفل جن کے صاحبزادے ورقہ تھے جو عیسائی ہوگئے تھے۔ وہ عربی زبان لکھنا جانتے تھے، چنانچہ انجیل کو عربی میں لکھا کرتے تھے۔ آخری عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی۔ جب اللہ کے رسول ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول ﷺ کو ان کی خدمت میں لے کر گئیں۔ انہوں نے نہ صرف آپ ﷺ کو تسلی دی بلکہ اپنی مکمل حمایت کی یقین دہانی بھی کرائی۔[1] (تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ)

① صحيح البخاري، حديث: 3.

ام حبیب: یہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پھوپھی تھیں۔ ان کی رشتے داری رسول اللہ ﷺ کے ننھیال بنو زہرہ میں اس طرح تھی کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی والدہ محترمہ سیدہ آمنہ بنت وہب کی نانی تھیں۔[1]

① الطبقات لابن سعد: 59/1.

شجرۂ طیبہ امام الانبیاء ﷺ اور خاتون اول سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

خاندان قریش

فہر (قریش) سے محمد ﷺ تک شجرۂ نسب — صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم — جنت کی بشارت پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم — نبی کریم ﷺ کی اولاد

قبائل کے بانی سردار — سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد — خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم — عبد المطلب کی اولاد

نبی کریم ﷺ کی قرشی ازواج — ★ عبد اللہ بن عبد المطلب کے ماں جائے بھائی بہنیں (فاطمہ بنت عمرو مخزومی کی اولاد)

خویلد بن اسد: سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد بن اسد صاحبِ اولاد تھے اور اپنے قبیلے کے سرکردہ افراد میں سے تھے۔ ان کے سب سے بڑے بیٹے حزام تھے جن کے بیٹے حکیم کو دار الندوہ کا منتظم بنایا گیا تھا۔[1] سردار خویلد کے ایک بیٹے کا نام عوام تھا جن کی شادی اللہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی سیدہ صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی۔ عوام کے ایک بیٹے کا نام سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ تھا جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ خویلد بن اسد کی بیٹیوں میں ایک بیٹی تو خود سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں جو سَیِّدَۃُ نِسَاءِ الْعَالَمِین تھیں۔ ایک بیٹی کا نام سیدہ ہالہ رضی اللہ عنہا تھا جو اللہ کے رسول ﷺ کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ساس تھیں۔ یاد رہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ہالہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔

① أسد الغابة: 44/2.

اگر نسب نامے پر غور کیا جائے تو اللہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھاوج تھیں۔ اس طرح آپ ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے درمیان شادی سے پہلے بھی قریبی رشتے داری کا تعلق تھا۔
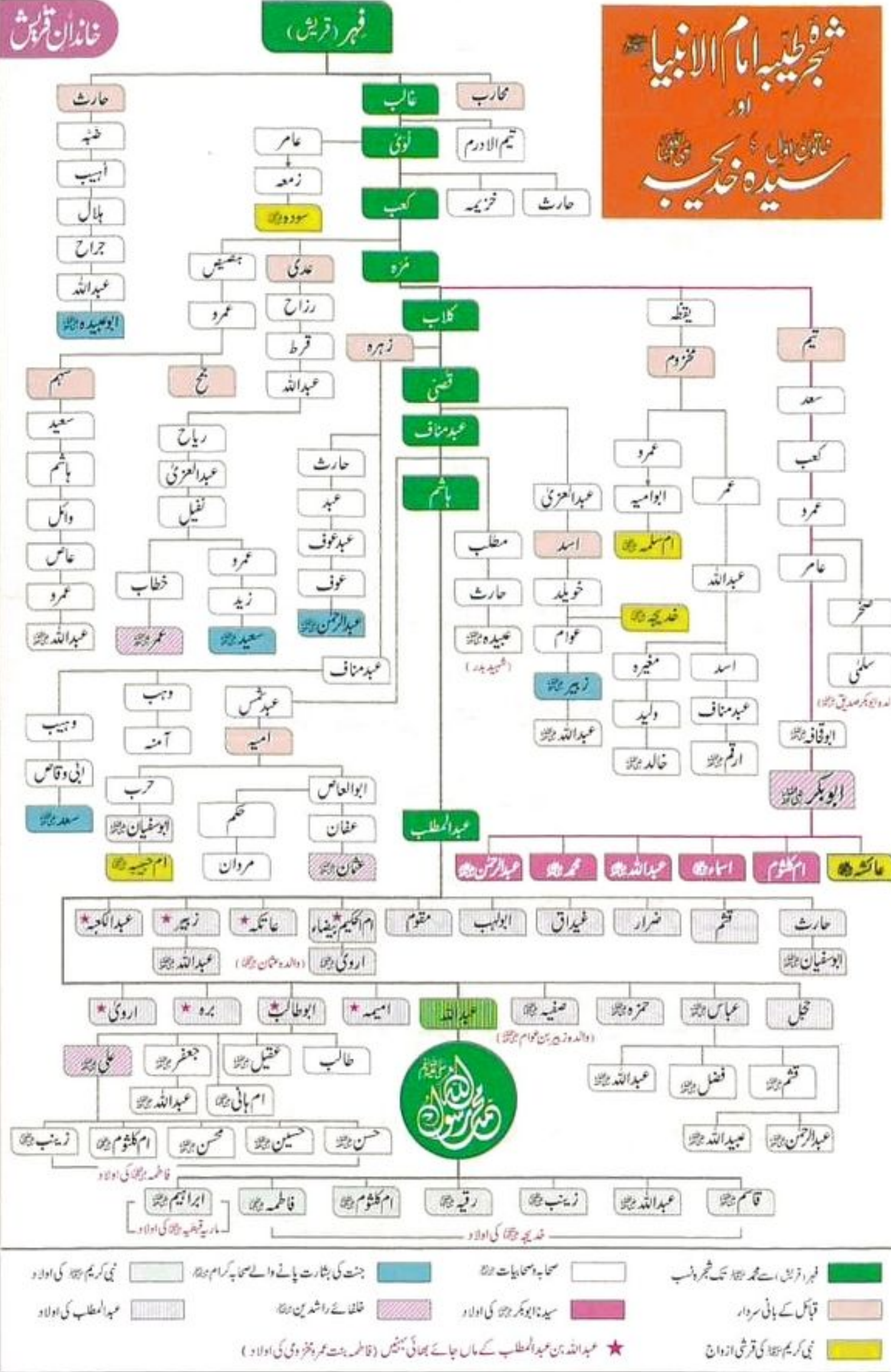
خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ولادت اور والدین کریمین

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ولادت عام الفیل سے پندرہ سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہوئی۔[1] عام گھرانوں کے مقابلے میں یہ گھرانہ ہر اعتبار سے معزز اور پاکیزہ تھا۔

① الطبقات لا بن سعد: 17/8.

سیدہ کے والد گرامی خویلد مکہ مکرمہ کے معروف اور امیر تاجروں میں سے تھے۔ ان کا کاروبار بڑا وسیع تھا اور نہایت اچھی شہرت کے مالک تھے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیف بن ذی یزن نے عام الفیل کے دو سال بعد احباش کو یمن میں شکست دے کر یمن کی حکومت پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ عربی النسل تھا۔ فطری طور پر عربوں کو اس کے بادشاہ بننے سے بڑی خوشی ہوئی، چنانچہ قریش نے سیف بن ذی یزن کو مبارک باد دینے کے لیے ایک وفد روانہ کیا۔ اس وفد میں اللہ کے رسول ﷺ کے دادا سردار عبد المطلب بن ہاشم، امیہ بن عبد شمس، سیدہ

خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد بن اسد اور قریش کی دیگر اہم شخصیات شامل تھیں۔ یہ تمام شخصیات صنعاء (یمن) تشریف لے گئیں اور غمدان نامی قصر میں سیف بن ذی یزن کو مبارک باد پیش کی۔[1]

① الوفاء بتعريف فضائل المصطفى: 77/1.

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد کی وفات حرب فجار سے پہلے ہوئی تھی۔[1] حرب فجار میں قریش اور ان کے حلیف کنانہ ایک طرف تھے جبکہ ان کے مقابل قیس بن عیلان تھے۔ اس جنگ کو حرب فجار اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حرم اور حرمت والے مہینے دونوں کی حرمت پامال کی گئی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی اس جنگ میں تشریف لے گئے اور اپنے چچاؤں کو تیر تھماتے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چودہ یا پندرہ سال تھی۔[2]

① تاريخ الطبري: 36/2. ② السيرة لابن هشام: 186/1.

> سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نسب نامے میں کئی پشتوں تک آپ رضی اللہ عنہا کی دادیوں اور چھ پشتوں تک ننھیالی سلسلے کی نانیوں کے نام بھی آج تک محفوظ ہیں

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ یہ بھی قریشی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ عربوں میں نسب کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ قریش کا صحیح ترین نسب نامہ اکیسویں پشت میں نزار بن معد بن عدنان تک ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نسب نامے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اتنی پشتوں تک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دادیوں کے نام بھی محفوظ ہیں اور اسی طرح چھ پشتوں تک ننھیالی سلسلے کی نانیوں کے نام بھی کتابوں میں درج ہیں۔

ازدواجی زندگی

رسول اللہ ﷺ کے عقدِ نکاح میں آنے سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دومرتبہ شادی ہوچکی تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی عتیق بن عابد بن عبداللہ مخزومی سے ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی۔ [1] بعض سیرت نگاروں کے مطابق پہلا نکاح ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا اور اس سے ہند بن ابی ہالہ پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام ہند تھی۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کے ربیب تھے۔ ان کی تربیت کاشانۂ نبوت میں ہوئی۔ یہ مسلمان ہوئے۔ انہوں نے معرکۂ بدر میں شجاعت کے جوہر دکھائے اور جنگ احد میں بھی شریک ہوئے۔ 36ھ میں جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔ [2] ان کے علاوہ ابو ہالہ کے تین بیٹے: ہالہ، حارث اور طاہر تھے۔ یہ سب بھی شرف صحابیت سے مشرف ہوئے۔ حارث بن ابی ہالہ ابتدائے اسلام ہی میں نبی کریم ﷺ کو کفار و مشرکین کے حملے سے بچاتے ہوئے شہید ہوگئے تھے۔ وہ اسلام کے لیے جان دینے والے اولین سپوت تھے۔ [3]

[1] أسد الغابة:260/5. [2] جامع المسانيد والسنن لابن كثير:303/12. [3] الإصابة:696/1

عتیق بن عابد مخزومی سے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جو ام محمد کی کنیت سے مشہور ہوئی۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد: 15/8.

جب ان کے دوسرے خاوند کی وفات ہوئی اس دور میں بیوہ یا مطلقہ کی شادی عدت گزرنے کے فوراً بعد کردی جاتی تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو قریش کے بڑے بڑے سرداروں اور معروف شخصیات نے پیغام نکاح بھیجا مگر انہوں نے انکار کردیا۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد: 131/1.

کامل و اکمل خاتون

سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا وہ عظیم خاتون ہیں جن کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ ہر لحاظ سے کامل اور اکمل خاتون تھیں، یعنی نسب کے اعتبار سے، شرافت کے اعتبار سے، اخلاق کے لحاظ سے، کردار کے اعتبار سے، مال و دولت، نجابت و سیادت اور لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی میں وہ اپنے دور کی یکتا شخصیت تھیں۔ بلاشبہ جس نے بھی ان کو پہلی مرتبہ ''طاہرہ'' کے لقب سے ملقب کیا اس نے سو فی صد درست لقب سے پکارا اور یاد کیا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جس ماحول میں پیدا ہوئیں، ہوش سنبھالا، پلیں بڑھیں اور جوان ہوئیں اور جس معاشرے میں رہیں، وہ معاشرہ کفر و شرک سے بھرا پڑا تھا، لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے، شعر و شاعری کا دور دورہ تھا، گلوکارائیں گاتی اور لوگوں کا دل لبھاتی تھیں مگر اس ماحول میں بھی کچھ گھرانے ایسے ضرور تھے جو شرک اور کفر سے متنفر تھے۔ وہ ایسے ماحول سے دور تھے جس میں بچیوں کو

زندہ درگور کر دیا جاتا اور اپنے خاندان کے کارناموں پر فخر کیا جاتا تھا۔

ابن اسحاق نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ بیت اللہ شریف میں ایک مرتبہ قریش کی عورتیں اپنے کسی تہوار کی مناسبت سے جمع تھیں۔ ''ہبل'' کا بت صحن کعبہ میں نصب تھا۔ اس کے اردگرد بہت سارے چھوٹے چھوٹے بت رکھے ہوئے تھے۔ جو لوگ عمرہ یا حج کے لیے آتے وہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ان بتوں کے سامنے بھی جبین نیاز جھکایا کرتے، ان سے مدد طلب کرتے اور فریادیں کیا کرتے۔ قریشی خواتین کے مذکورہ مجمع میں سیدہ خدیجہ ؓ بھی شامل تھیں کہ ایک یہودی ان کے پاس سے گزرا۔ خواتین کے اس گروہ میں ہر عمر کی خواتین شامل تھیں: بچیاں، نوعمر، جوان، ادھیڑ عمر کی، بڑی بوڑھیاں، شادی شدہ اور غیر شادی شدہ سب بتوں کے پاس سے گزر رہی تھیں۔ یہ انہیں اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتی تھیں۔ یہودی کچھ دیر تک ان کی طرف غور سے دیکھتا رہا...... پھر گویا ہوا:

''معزز و مکرم خواتین! عنقریب آپ لوگوں میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ تم میں سے جو بھی اس نبی کی زوجہ بن سکے تو ایسا ضرور کرے''۔

"معزز و مکرم خواتین! عنقریب آپ لوگوں میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ تم میں سے جو بھی اس نبی کی زوجہ بن سکے تو ایسا ضرور کرے"

عورتوں کی گفتگو اس یہودی کے اعلان میں دب گئی تھی۔ انہوں نے بڑے تعجب سے اس کی بات سنی اور پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔ یہ کون آدمی ہے جو اس قسم کی گفتگو کر رہا ہے، اس کا یہ بات کرنے سے مطلب اور مقصد کیا ہے؟

پھر ان میں سے بعض عورتوں نے خود ہی جواب دیا: یہ شخص مکہ کا رہنے والا نہیں ہے کیونکہ ہم مکہ کے ہر شخص کو جانتی اور پہچانتی ہیں۔ یہ یہودی ہے اور باہر سے یہاں آیا ہے۔ ایک کہنے لگی: یہ شخص تو ہمارے ساتھ اور ہمارے معبودوں کے ساتھ مذاق کر رہا ہے، ہمارے خداؤں کی توہین کر رہا ہے، چنانچہ بعض عورتوں نے اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ کچھ نے تو صحن سے کنکریاں اٹھا کر اسے مارنی شروع کر دیں۔ سیدہ خدیجہ ؓ کے سوا ہر عورت نے اس یہودی کو ذلیل اور بے عزت کرنے میں کچھ نہ کچھ ضرور حصہ لیا مگر سیدہ خدیجہ ؓ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ انہوں نے بتوں کے دفاع میں یہودی کے خلاف کچھ بھی کہنے سے گریز کیا اور اس موقع پر خاموشی سے کام لیا۔[1] اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ سیدہ خدیجہ ؓ قبل از اسلام بھی نیک فطرت تھیں اور مشرکین اور ان کے خداؤں سے کوئی ہمدردی نہ رکھتی تھیں۔

[1] سبل الهدى: 2/164.

سیدہ خدیجہ ؓ کے لیے قوم قریش میں نبی کے آنے کا تذکرہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ انہوں نے پہلے بھی سن رکھا تھا کہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک سچا نبی آنے والا ہے، ایسی بات وہ اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل سے بھی سن چکی تھیں۔ یہودی سے یہ تذکرہ سننے کے بعد یقیناً وہ اس پر غور وفکر کرنے لگ گئی تھیں اور یہ بات یقیناً عقل و منطق کے عین مطابق بنتی تھی۔ جہاں تک ان کے چچا زاد ورقہ بن نوفل کا تعلق تھا تو وہ کھلے عام قریش کو ملامت کیا کرتے اور ان کو روکا ٹوکا کرتے تھے۔ وہ ان سے کہا کرتے تھے کہ تم لوگوں نے دین ابراہیمی کو چھوڑ کر شرک و بت پرستی اختیار کر لی ہے۔ وہ انہیں ایک رب کی عبادت کی دعوت دیتے اور انہیں عار دلاتے کہ تمہارے جد امجد ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو خالص اللہ کی عبادت کے لیے بنایا تھا مگر تم نے اس میں ہبل کا بت سجا رکھا ہے۔

سیدہ خدیجہ ؓ ورقہ بن نوفل کے ان خیالات کی نہ صرف قدر دان تھیں بلکہ ان کے دل میں

ورقہ کا بے حد احترام بھی تھا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ورقہ نے اس آزاد ماحول میں نہ صرف یہ کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دین کو اپنایا ہوا تھا بلکہ انہوں نے شراب کو بھی اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا۔ وہ جوئے سے مکمل اجتناب کرتے تھے۔ وہاں ایک بزرگ شخصیت زید بن عمرو بن نفیل بھی تھے جو بیت اللہ کے سائے میں کھڑے ہو کر قریش سے کہا کرتے تھے: قریشیو! اللہ کی قسم! میرے سوا تم میں سے کوئی بھی دین ابراہیمی پر قائم نہیں رہا اور یہ زندہ درگور کی جانے والی بچیوں کو بچا لیتے تھے، یعنی ایسی بچیاں جن کے والد انہیں زندہ درگور کرنا چاہتے ان کو مال دے کر چھڑوا لیا کرتے۔ انہیں جب معلوم ہوتا کہ کوئی شخص اپنی بیٹی کو زندہ درگور کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے پاس جاتے۔ اسے یا تو قائل کرتے کہ وہ اپنی بیٹی کو زندہ دفن نہ کرے یا اس سے یہ بیٹی لے لیتے اور خود اس کی پرورش شروع کر دیتے۔[1] اس کار خیر میں ورقہ بن نوفل بھی ان کے ساتھ شامل رہتے تھے۔ واضح رہے کہ زید بن عمرو بن نفیل مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔ ان کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ زید بن عمرو روز قیامت تنہا ایک امت کے طور پر اٹھائے جائیں گے۔[2] یہ ساری گزارشات کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ مکہ مکرمہ کے اچھے اور اعلیٰ گھرانوں میں بنو اسماعیل میں سے ایک رسول کی تشریف آوری کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

> قریشیو! اللہ کی قسم! میرے سوا تم میں سے کوئی بھی دین ابراہیمی پر قائم نہیں رہا

① صحيح البخاري، حديث: 3828.
② المستدرك للحاكم: 3/440.

تجارت

سیرت نگاروں کے مطابق سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنے والد اور خاندان والوں سے خاصی دولت وراثت میں ملی۔ جس کو انہوں نے کاروبار میں لگا رکھا تھا۔

اس دور میں یمن اور شام دو بڑی تجارتی منڈیاں تھیں۔ گرمیوں کے موسم میں شام کے علاقے میں موسم بڑا معتدل ہوتا تھا۔ اس علاقے میں زیادہ گرمی نہ ہوتی تھی، اس لیے عربوں کے تجارتی قافلے گرمیوں کے موسم میں بصری شام کا رخ کرتے۔ بُصریٰ شامی دارالحکومت دمشق سے 140 کلو میٹر کی مسافت پر اردن جانے والی سڑک کے کنارے واقع ہے۔ عمان سے قریب ہی ہے۔ یہ اس زمانے میں بہت بڑی تجارتی منڈی ہوتی تھی۔ یہاں سے بیت المقدس بھی زیادہ دور نہیں ہے۔ غرضیکہ اس دور میں یہ بہت بڑا تجارتی شہر تھا۔ گرمیوں کے موسم میں دور دور سے تجارتی قافلے آتے اور یہاں خوب جم کر کاروبار کرتے تھے۔ قریش اپنے علاقے کی اشیاء فروخت کرتے اور دوسرے ملکوں کی قیمتی اشیاء خریدتے اور انہیں مکہ لاتے، اس طرح دوہرا منافع کماتے۔

عربوں کی روایتی تجارتی اشیا

سردی کے موسم میں شام کے علاقے میں موسم

بہت سرد ہوتا اور برف باری بھی ہوتی، اس لیے قریش کے قافلے یمن کا رخ کرتے جہاں سردیوں میں موسم زیادہ ٹھنڈا نہ ہوتا تھا بلکہ یہاں کا موسم سردیوں میں خوشگوار رہتا تھا۔ سورۂ قریش میں اللہ رب العزت نے ﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ○ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ﴾ کا جو ذکر فرمایا ہے، اس کا اشارہ انہیں تجارتی قافلوں کی طرف ہے جو سردیوں اور گرمیوں میں یمن و شام کا سفر کیا کرتے تھے۔

تجارت عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ جو امیر تھے وہ عام لوگوں کو مضاربت کی بنیاد پر سرمایہ دے دیتے اور وہ اس سے تجارت کرتے۔ جو منافع ہوتا وہ طے شدہ معاہدے کی بنیاد پر آپس میں تقسیم کر لیا جاتا۔ اس دور میں عورتیں بھی کاروبار کیا کرتی تھیں، چنانچہ سیرت نگاروں کے مطابق سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا کاروبار خاصا پھیلا ہوا تھا۔ خاتون ہونے کے ناطے وہ خود تو قافلوں میں شامل نہ ہو سکتی تھیں مگر وہ بڑے بڑے تاجروں کو مضاربت کے اصولوں کے مطابق اپنا مال دے دیتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں خوب برکت دے رکھی تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نہایت سمجھدار خاتون تھیں اور ایک اچھے سمجھدار تاجر کی طرح وہ بھی اس تلاش میں رہتیں کہ انہیں کوئی ایماندار اور سمجھدار شریکِ کار مل جائے جو ان کے لیے کاروبار کرے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی کا آغاز اس طرح کیا کہ کچھ عرصہ بکریاں چرائیں اور پھر اپنے رشتہ داروں اور چچاؤں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تجارت شروع کر دی۔

ایماندار اور با اصول تاجر

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً بیس، بائیس سال کی ہوئی ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان ایک ایماندار اور با اصول تاجر کے طور پر ہونے لگی۔ وہ شخصیت جس نے بعد میں تمام کائنات کی رہنمائی کرنی تھی شروع دن ہی سے نہایت با اصول تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نبوت سے پہلے بھی انتہائی پاکیزہ تھی۔ کاروبار میں تاجر اگر سچا اور امین ہو تو اسے ہر کوئی پسند کرتا ہے اور اس کے ساتھ کاروبار کرنا اپنے لیے باعث شرف سمجھتا ہے۔ مکہ مکرمہ میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت تھی جو صادق اور امین کے نام سے معروف تھی۔

طبقات ابن سعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی جھلک ان خوبصورت الفاظ میں پیش کی گئی ہے:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عالم شباب میں قدم رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت اور مروت کے اعتبار سے اپنی قوم میں سب سے زیادہ ممتاز، اخلاق میں سب سے اعلیٰ، میل جول میں سب سے زیادہ فرحت بخش، ہمسائیگی میں سب سے زیادہ کریم اور خوشگوار، حلم و تحمل کا پیکر مجسم، گفتگو میں صادق اور راست گو، فحش گوئی اور ایذا رسانی سے کوسوں دور بھاگنے والے، بردباری میں بے مثال، تواضع اور منکسر المزاجی میں باکمال، ہر ایک کے ہمدرد و خیر خواہ، وعدے کے پکے اور انتہا درجے کے امانت دار تھے، گویا کہ اللہ رب العزت نے ان کی ذات میں تمام امور صالحہ اور اخلاق فاضلہ مرتکز کر دیے تھے۔ اس بنا پر قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو الأمین کے معزز، بلند اور اعلیٰ لقب سے نوازا۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 121/1.

علامہ ابن سعد کی گواہی:

قارئین کرام! علامہ ابن سعد نے گویا الأمین کی تعریف بتادی ہے کہ الأمین اسے کہتے ہیں جس میں مذکورہ بالا ساری صفات موجود ہوں، نہ کہ وہ جو صرف امانت دار ہو۔

کاروباری معاملات میں نرمی اختیار کرنا اور جھگڑا نہ کرنا بہت اعلیٰ صفت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے اندر یہ وصف بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کا واقعہ بڑا مشہور ہے کہ جب وہ مدینہ طیبہ آئے اور اللہ کے رسول ﷺ سے ملے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پہچانتے ہو؟'' انہوں نے عرض کی: ''کیوں نہیں، آپ تو میرے شریکِ تجارت تھے، آپ کسی بات کو ٹالتے تھے نہ جھگڑا کیا کرتے تھے۔''[1]

[1] الأحاديث المختارة:379/9.

قیس بن سائب مخزومی کی گواہی:

اسی طرح قیس بن سائب مخزومی نے ان الفاظ میں آپ ﷺ کے بارے میں گواہی دی:
''آپ ﷺ زمانۂ جاہلیت میں میرے شریکِ تجارت تھے، آپ بہترین شریک تاجر تھے، کبھی جھگڑتے نہ کسی قسم کی بحث وتکرار کرتے۔''

اللہ کے رسول ﷺ کی مکی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ معاملات میں نہایت کھرے تھے۔ آپ ﷺ وعدے کے پابند تھے۔ جب کسی سے وعدہ کر لیتے تو اسے ہر حال میں پورا فرماتے۔ اس کی بہترین مثال عبداللہ بن ابی الحمساء کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ اس سے کوئی کاروباری معاملہ طے فرما رہے تھے کہ دوران گفتگو اسے کوئی کام یاد آ گیا۔ اس نے کہا: ''آپ میرے آنے تک یہاں ٹھہریں، میں واپس آتا ہوں۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اچھا میں

تمہارا انتظار کرتا ہوں۔'' وہ وہاں سے گیا تو واپس آنا بھول گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ اسی مقام پر تین روز تک اس کا انتظار فرماتے رہے۔ تیسرے دن اسے یاد آیا تو وہاں سے گزرا۔ اس نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اسی جگہ اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو صرف اتنا فرمایا: ''عبداللہ! تم نے مجھے مشقت میں ڈال دیا، میں تین روز سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''[1]

[1] سنن أبي داود، حديث:4996. (ضعيف)

جس شخصیت کے اخلاق اس قدر اعلیٰ وارفع ہوں، جو معاشرے میں اس درجہ محبوب ومقبول ہو کہ اسے امین اور صادق کے نام سے یاد کیا جاتا ہو اس شخص کی عظمت اور وقار کے کیا کہنے ہیں۔ اعلیٰ اخلاق ایک ایسی خوشبو ہے جو چاروں طرف پھیل جاتی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ تو اعلیٰ ترین اخلاق کے مالک تھے۔ ہر مالدار شخص اپنے کاروبار کو بڑھاوا دینا چاہتا ہے۔ اسے ایماندار اور محنتی لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر دور میں ایسی عمدہ شخصیات کم ہی ہوتی ہیں مگر جو ہوتی ہیں ان کی معاشرے میں بہت قدر و قیمت ہوتی ہے۔

> ”اعلیٰ اخلاق ایسی خوشبو ہے جو چاروں طرف پھیل جاتی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ تو اعلیٰ ترین اخلاق کے مالک تھے“

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی کسی ایسی ہی شخصیت کی تلاش میں تھیں، جو ایماندار ہو، سچی ہو اور اعلیٰ اخلاق وکردار کی مالک ہو۔ انہیں جب یتیم مکہ کے بارے میں مندرجہ بالا معلومات حاصل ہوئیں تو گویا انہیں گوہر مقصود میسر آ گیا۔

شام کا تجارتی سفر

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تجارت کے حوالے سے آپ کی شہرت سنی تو آپ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ اگر آپ میرا مالِ تجارت لے کر شام جائیں تو آپ کو میں دوسروں کی نسبت دوگنا منافع دوں گی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اس پیغام کو قبول فرمالیا۔ روایات کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے، جنہیں ابھی تک نبوت نہیں ملی تھی، گھر آکر چچا سردار ابوطالب سے بھی اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔[1]

① الطبقات لابن سعد:130,129/1.

سردار ابوطالب کا مشورہ:

بعض سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ خود ابوطالب نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: اس وقت تمہاری قوم کا قافلہ شام جانے کے لیے تیار ہے اور خدیجہ (رضی اللہ عنہا) قریش کے آدمیوں کو اپنا سرمایہ دے کر تجارت کے لیے بھیج رہی ہے، اگر آپ بھی خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے شام جانے کی خواہش کا اظہار کریں تو مجھے یقین ہے کہ آپ کی طہارت نفس، معاملات کی صداقت اور دیانت کی وجہ سے وہ آپ کو دوسروں پر ترجیح دیں گی۔ گو میں آپ کو شام کے لمبے سفر پر بھیجنا تو نہیں چاہتا مگر حالات کی مجبوری کے باعث ایسا کرنا ضروری ہو گیا ہے اور اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ اس طرح آپ ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت لے کر شام روانہ ہوئے۔[1]

① الطبقات لابن سعد:129/1، دلائل النبوة لأبي نعيم:172/1.

نبوت کی نشانیاں اور نسطورا راہب کا انکشاف:

جب اللہ کے رسول ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر شام کے شہر بُصری روانہ ہوئے تو اس سفر میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ بھی، جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تجارتی امور کی دیکھ بھال بھی کیا کرتا تھا اور ان کے ہاں قابل اعتماد بھی تھا، آپ ﷺ کے ہمراہ تھا۔[1] وہ آپ ﷺ کی خدمت پر مأمور تھا اور آپ ﷺ کے روز وشب کا بڑی عمیق نگاہوں سے مشاہدہ بھی کر رہا تھا۔ صادق ومصدوق ''محمد'' ﷺ اپنے قول وفعل میں یکتا تھے۔ اگر آپ کسی شخص کے بارے میں جاننا چاہیں کہ اس کا کردار واخلاق کیسا ہے تو اس کے ساتھ سفر کریں۔ دوران سفر آپ خوب جان جائیں گے کہ وہ کس قسم کی شخصیت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا اخلاق تو سبحان اللہ! مقام نبوت پر فائز ہونے سے پہلے بھی کائنات میں سب سے اعلیٰ وارفع تھا، چنانچہ دوران سفر اس نے جن خرقِ عادت واقعات وکرامات کا مشاہدہ کیا ان میں ایک واقعہ یہ بھی تھا کہ جب اللہ کے رسول ﷺ بصری پہنچے تو ایک درخت کے سائے میں فروکش ہوئے۔ وہاں قریب ہی نسطورا نامی ایک راہب رہتا تھا۔ اس نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو کہا: اس درخت کے نیچے آج تک نبی کے سوا کوئی شخص نہیں ٹھہرا، پھر اس نے میسرہ سے پوچھا: ''کیا ان کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ہیں؟'' میسرہ نے کہا: جی ہاں! یہ تو ہر وقت آپ ﷺ کی آنکھوں میں رہتے ہی ہیں۔ وہ کہنے لگا: ''یاد رکھو یہ نبی ہیں، آخری نبی!۔''[2]

" یاد رکھو

یہ نبی ہیں،

آخری نبی۔۔ "

① الطبقات لابن سعد:130/1. ② دلائل النبوة لأبي نعيم:173/1.

میسرہ دیکھتا تھا کہ سخت دھوپ میں دو فرشتے آپ ﷺ کے سر پر سایہ کیے رہتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ عین دوپہر کے وقت واپس مکہ پہنچے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

یہ قصہ بھی منقول ہے کہ قبل از بعثت رسول اللہ ﷺ کا ایک آدمی کے ساتھ کسی سودے میں اختلاف ہوگیا۔ اس نے کہا: آپ لات وعزیٰ کی قسم کھائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(مَا حَلَفْتُ بِهِمَا قَطُّ، وَإِنِّي لَأَمُرُّ بِهِمَا فَأُعْرِضُ عَنْهُمَا)

''میں نے کبھی ان کی قسم نہیں کھائی بلکہ میں تو ان کے پاس سے گزرتے وقت منہ پھیر لیا کرتا ہوں۔''

وہ آدمی میسرہ سے کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! یہ شخص نبی ہے۔ ہمارے علماء اس کے اوصاف اپنی کتابوں میں لکھے ہوئے پاتے ہیں۔'' یہ بھی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس تجارتی سفر میں دوسرے لوگوں کی نسبت دوگنا نفع حاصل ہوا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو دوسروں کی نسبت

شام کے شہر بصری کے نزدیک موجود رومن سلطنت کے آثار

چارگنا حصہ دیا، حالانکہ وعدہ عام تاجروں سے دوگنے منافع کا تھا مگر انہوں نے اس دوگنے کو مزید دوگنا کر دیا۔[1]

[1] الطبقات لا بن سعد:130/1.

ورقہ بن نوفل کی گواہی:

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل سے نسطورا راہب کا انکشاف بیان کیا جو میسرہ نے اس سے سنا تھا کہ اس درخت کے نیچے نبی کے علاوہ کبھی کوئی شخص نہیں ٹھہرا۔ مزید برآں ان سے فرشتوں کے سایہ کرنے کا بھی ذکر کیا تو ورقہ بن نوفل کہنے لگے: ''خدیجہ! اگر یہ باتیں سچی ہیں تو محمد (ﷺ) اس امت کے نبی ہوں گے۔ مجھے یہ بھی علم ہے کہ اس امت میں ایک نبی آنے والا ہے جس کا انتظار ہو رہا ہے۔ اب اس نبی کا زمانہ آچکا ہے۔''[1]

[1] السيرة لابن هشام:192,191/1.

مسند بزار اور طبرانی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن نے بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک دوسرے آدمی کو شامل کر کے تجارتی شراکت کی تھی۔ جب دونوں سفر سے واپس آئے اور حساب کتاب کیا گیا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن کے ذمے ان کا کچھ مال نکلتا تھا۔ دوسرا تاجر تو اکثر ان کے گھر جاتا اور ان سے اپنی رقم کا مطالبہ کرتا۔ وہ آپ ﷺ سے بھی اسی طرح تقاضا کرنے کو کہتا تو آپ ﷺ یہ عذر پیش کرتے کہ مجھے شرم آتی ہے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن نے یہ بات خدیجہ کو بتائی تو انہیں آپ ﷺ کی یہ عالی ظرفی بھا گئی۔[1]

[1] المعجم الكبير للطبراني: 209/2.

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے

پیامِ نکاح

اور رسول اللہ ﷺ کی آمادگی

میسرہ سے یہ باتیں سن کر اور ورقہ کی تصدیق و تائید سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں آپ ﷺ کے حسن اخلاق اور عظمت وجلالت کا یقین پختہ ہو گیا۔ انہوں نے آپ ﷺ سے شادی کا قطعی فیصلہ کر لیا، چنانچہ سفر شام سے واپسی کے تین ماہ بعد انہوں نے اپنی سہیلی نفیسہ بنت امیہ رحمہا اللہ کو اس پیش کش کا پیام دے کر آپ ﷺ کے ہاں بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ بھی راضی ہو گئے۔ اس طرح یہ مبارک شادی انجام پائی۔

اس سلسلے میں بہت سی ایسی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی آپ ﷺ کو شادی کا پیغام اپنی گہری دوست نفیسہ بنت امیہ رحمہا اللہ کے ذریعے بھجوایا تھا۔ اس دور کے عرب معاشرے میں عورتوں کا اپنی شادی کا پیغام خود بھجوانا کوئی معیوب یا تعجب والی بات نہ تھی۔ آپ ﷺ ان دنوں اپنے چچا سردار ابو طالب ہی کے گھر میں

> ”نفیسہ نے آپ ﷺ کی طرف دیکھ کر کچھ تعریفی کلمات ادا کیے اور کہا: آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟“

مقیم تھے کہ ایک روز نفیسہ[1] گھر میں داخل ہوئی اور سردار ابو طالب کی اہلیہ کو سلام پیش کیا۔ آپ ﷺ کی طرف دیکھ کر کچھ تعریفی جملے ادا کیے اور کہنے لگی: ''آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟'' آپ نے نفیسہ کو وہی جواب دیا جو اکثر لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابھی میرے پاس شادی کے لیے مناسب مال و دولت نہیں۔ جب مال میسر ہوگا تو ضرور شادی کر لوں گا۔'' نفیسہ کو غالباً اسی جواب کی توقع تھی۔ اس نے کہا: ''کسی دولت مند خاتون سے شادی کیوں نہیں کر لیتے جو شرف و منزلت اور خاندانی اعتبار سے بھی نہایت اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو؟'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''ایسی عورت کون ہے جو ایک کم مال والے شخص سے شادی کرنے کے لیے تیار ہو؟'' نفیسہ نے فوراً کہا:

''خدیجہ بنت خویلد۔''

[1] انہیں نفیسہ بنت مُنیہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی والدہ کا نام مُنیہ بنت جابر بن وہب تھا۔ دیکھیے: الإصابة:336/8.

آپ ﷺ نے قدرے غور کیا اور سوچا کہ خدیجہ سے رشتے داری کا تعلق تو پہلے ہی سے موجود ہے۔ قریش کا گھرانہ تو اصل میں ایک ہی تھا۔ سردار قصی پر جا کر بنو ہاشم اور بنو اسد آپس میں مل جاتے تھے۔ یوں بھی آپ کی حقیقی پھوپھی سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی شادی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد سے ہو چکی تھی۔ جہاں تک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذہانت اور نیک نامی کا تعلق ہے تو وہ نہایت مدبر اور زیرک خاتون تھیں۔ ان کی ظاہری خوبصورتی اور خوب سیرتی کی بھی پورے مکہ میں دھوم تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی آمادگی کا اظہار فرما دیا۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد:131/1.

''بنو ہاشم اور بنو اسد قریش کے سردار قصی پر جا کر مل جاتے تھے اس لیے آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی پر آمادگی ظاہر کر دی''

سیرت نگاروں نے اس شادی کے حوالے سے جو تفاصیل لکھی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خود بھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو شادی کا پیغام بھیجا۔ اس وقت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد وفات پا چکے تھے، البتہ چچا عمرو بن اسد زندہ تھے۔ بعد میں جب شادی کی بات طے ہوگئی تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ولی وہی بنے تھے۔ ان کو جب اس رشتے کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد:132/1.

اللہ کے رسول ﷺ نے جب اپنے چچاؤں کو اس فیصلے سے مطلع کیا تو انہوں نے بھی اس پر اپنی موافقت اور خوشی کا اظہار کیا۔ بنو ہاشم کے لوگ خوشی خوشی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر روانہ ہوئے۔ نمایاں شخصیات میں آپ ﷺ کے چچا سیدنا حمزہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہما اور سردار ابو طالب شامل تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خاندان کے جو نمایاں افراد اس تقریب میں موجود تھے ان میں ورقہ بن نوفل، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد، بھائی عمرو بن خویلد، بھتیجا حکیم بن حزام اور خاندان کی بعض خواتین شامل تھیں۔[1] کہا جاتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس مبارک موقع پر موجود تھے۔

[1] السيرة الحلبية:227/1.

مجلسِ نکاح میں سردار ابوطالب اور ورقہ بن نوفل کا خطبہ

نکاح کی اس مجلس میں سردار ابوطالب نے بڑا خوبصورت خطبہ پڑھا۔ انہوں نے اس میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے انہیں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے پیدا کیا اور بیت اللہ کی تولیت کا شرف بخشا، پھر انہوں نے اپنے بھتیجے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف کرتے ہوئے ان کے فضل، حلم، امانت، دیانت، شرافت اور عقل وفراست کا ذکر کیا۔ ان کا کہنا تھا: ''اگر چہ میرے اس بھتیجے کے پاس مال ودولت زیادہ نہیں مگر دولت کا کیا ہے وہ تو ڈھلتا ہوا سایہ ہوتی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے حق مہر کا اعلان کیا۔'' اس طرح کے تعریفی جملے کہنے کے بعد جب وہ بیٹھے تو ورقہ بن نوفل اٹھے۔ ایک روایت کے مطابق یہ نکاح انہوں نے پڑھایا۔ انہوں نے بنوہاشم کے فضل وشرف اور کرم وسخاوت کا اعتراف کیا اور مقررہ مہر پر اس مبارک جوڑے کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا۔[1] مہر کی یہ مقدار بیس اونٹ تھی۔[2] بعض روایات کے مطابق یہ مقدار پانچ سو درہم تھی۔[3]

> ”اس مبارک جوڑے کا مہر بیس اونٹ اور بعض روایات کے مطابق پانچ سو درہم مقرر کیا گیا“

① تاریخ الیعقوبي: 14/2. ② السیرة لابن هشام: 191/1. ③ سبل الهدی: 165/2.

شادی کے وقت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس برس تھی۔ یہ تقریب بعثت نبوی سے پندرہ برس پیشتر منعقد ہوئی تھی۔ واقعۂ فیل کو اس وقت پچیس برس بیت چکے تھے۔ نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے آئے اور وہیں قیام پذیر رہے۔[1] سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چوبیس برس تک قائم رہی اور اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ نکاح کے بعد اونٹ ذبح کیے گئے اور ان کا گوشت فقراء میں تقسیم کیا گیا۔ شرکائے مجلس کی ضیافت بھی کی گئی۔[2] سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے یہ مہمان نوازی کوئی تعجب یا اچنبھے کی بات نہیں۔ وہ نہایت مالدار خاتون تھیں اور مہمان نوازی عربوں کی گھٹی میں تھی۔

① أخبار مكة للأزرقي: 199/2. ② السیرة الحلبیة: 227/1.

”نساء حول الرسول“ نامی کتاب کے مؤلف لکھتے ہیں: شادی کی اس تقریب میں دیگر مہمانوں کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بھی شریک تھیں اور جب وہ واپس جانے لگیں تو اس مبارک جوڑے نے انہیں چالیس بکریوں کا تحفہ بھی دیا تھا۔[1]

① نساء حول الرسول: 165/1.
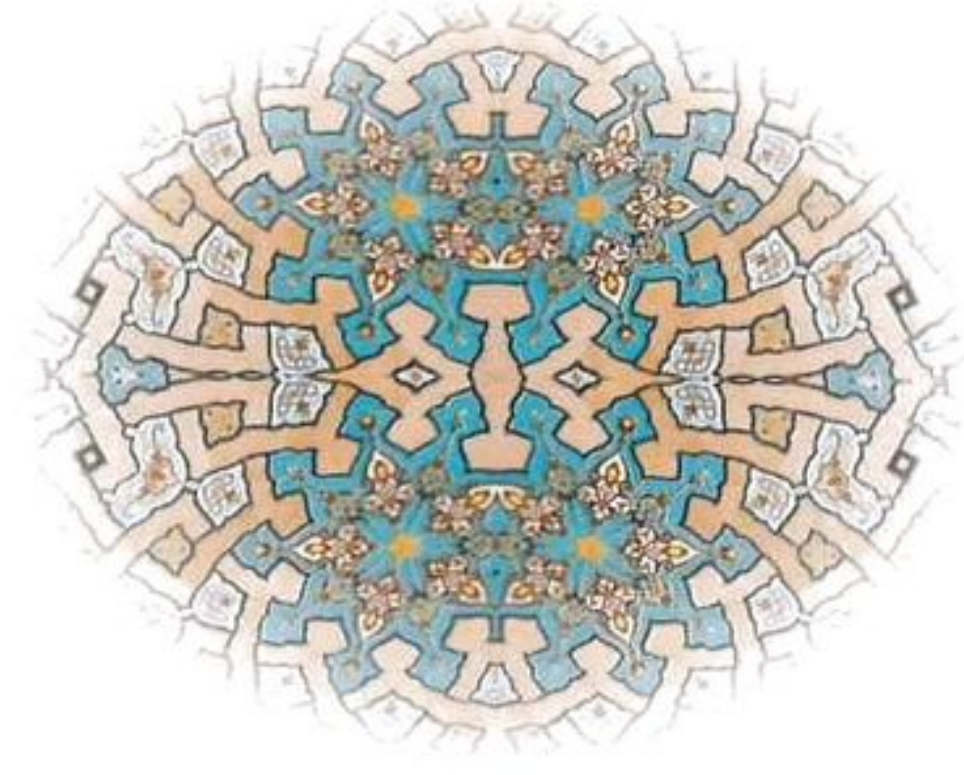
مکی معاشرے میں اِک نیا گھر

> کائنات کے سب سے افضل واعلیٰ گھرانے میں
> یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک
> اور رشتہ داروں کے حقوق کا بطور خاص خیال رکھا جاتا تھا

مکی معاشرے میں ایک نئے گھر کا اضافہ ہو چکا تھا۔ کائنات کا سب سے افضل واعلیٰ گھرانہ جس میں امن وسکون اور چین واطمینان کا دور دورہ تھا۔ اللہ نے انہیں مال ودولت سے تو نوازا ہی تھا۔ مگر انہیں ہر وقت ایسے لوگوں کی فکر دامن گیر رہتی تھی جو معاشرے میں سب سے زیادہ کمزور اور لاچار تھے۔ ایسے لوگوں کی مدد کی جاتی۔ یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا اور ان کی خفیہ اور علانیہ مدد کی جاتی۔ رشتہ داروں کے حقوق کا بطور خاص خیال رکھا جاتا تھا۔

اس گھر میں دو بچے بھی پرورش پا رہے تھے۔ ان میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے ایک بیٹی ہند بنت عتیق اور دوسرے خاوند سے ایک بیٹا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہی کے نام سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام ہند تھی۔[1] یہ بچے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب تھے۔

---

[1] الإصابة: 8/100.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد

> سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے
> ہاں قاسم کی ولادت
> کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو
> ابوالقاسم کی کنیت
> سے پکارا جانے لگا

شادی کے بعد جلد ہی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے آنگن میں ایک پھول کھلا۔ سید ولد آدم کے ہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ ان کا نام قاسم رکھا گیا۔ انہی کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوالقاسم کی کنیت سے پکارا جانے لگا۔ ابھی قاسم چھوٹے ہی تھے کہ یہ پھول مرجھا گیا۔ سیرت نگاروں کے مطابق انہوں نے چلنا شروع کر دیا تھا۔ عمر کے اس حصے میں والدین کو بچوں کے ساتھ جو الفت ومحبت ہوتی ہے اس کے پیش نظر یقیناً باغ جنت کے اس پھول کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بے حد پیار تھا مگر اللہ تعالیٰ کی یہی مشیت تھی۔

تاریخ کے اوراق ہمیں قاسم کے حالات زندگی سے آگاہ نہیں کرتے

مگر یہ بات یقینی ہے کہ ان کی اس دنیا میں تشریف آوری سے سیدہ خدیجہ ؓ اور آپ ﷺ کو بے پناہ مسرت ہوئی ہوگی۔

قاسم کی وفات کے بعد چند برسوں ہی میں وقفے وقفے سے سیدہ خدیجہ ؓ کے ہاں چار بیٹیاں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم، سیدہ فاطمہ اور ایک بیٹا عبد اللہ ؓ جن کا لقب طیب اور طاہر تھا پیدا ہوئے۔ سیدہ خدیجہ ؓ کی تمام اولاد کی دایہ کا نام سلمی تھا۔ کتب سیرت میں مذکور ہے:

(وَكَانَتْ تَسْتَرْضِعُ لِوَلَدِهَا تُعِدُّ ذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ تَلِد)

''سیدہ خدیجہ ؓ کا معمول تھا کہ وہ دایہ سے اپنے بچوں کو دودھ پلواتی تھیں اور بچے کی ولادت سے قبل ہی دایہ کو تیار کرلیتی تھیں۔'' [1]

سیدہ زینب ؓ کے اس دنیا میں آنے کے بعد گھر میں اور زیادہ خوشحالی آ گئی، مساکین و محتاج خالی ہاتھ آتے اور دامن بھر کے لے جاتے

[1] الإصابة: 602/7 حرف الخاء المعجمة.

سیدہ خدیجہ ؓ کا گھرانہ ایک سعادت مند گھرانہ تھا۔ سیدہ زینب ؓ بنت محمد ﷺ کے اس دنیا میں آنے کے بعد گھر کی رونقیں ایک مرتبہ پھر بحال ہوگئی تھیں۔ گھر میں پہلے سے زیادہ خوشحالی آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا نوازا کہ اس سے باقی ماندہ لوگوں کی ضروریات بھی پوری ہونے لگیں۔ فقراء، مساکین اور محتاج سبھی آتے اور ان کی ضروریات پوری کی جاتیں۔ وہ خالی ہاتھ آتے اور واپسی پر ان کے دامن بھرے ہوئے ہوتے۔ سیدہ خدیجہ ؓ نے اپنی ساری دولت اپنے حبیب ﷺ کے لیے وقف کردی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک منفرد تحفہ

حکیم بن حزام سیدہ خدیجہ ؓ کے بھتیجے تھے۔ ایک مرتبہ طائف میں تھے۔ وہاں غلاموں کی منڈی لگی ہوئی تھی۔ یہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ ایک نوعمر لڑکا ''زید'' انہیں بھا گیا۔ زید کی شکل وصورت، عادات اور اخلاق واطوار کسی طور بھی غلاموں جیسے نہ تھے۔ سودا کیا، زید کو لے کر مکہ آئے اور اسے اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہ ؓ کی خدمت میں پیش کردیا۔ یہ نوعمر لڑکا اس عظیم گھرانے میں پلتا رہا۔ شادی کے بعد سیدہ خدیجہ ؓ نے زید ؓ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا۔ [1]

[1] تاریخ دمشق :243/21.

اس نوجوان میں کچھ صفات ایسی تھیں کہ جن کی بنا پر آپ ﷺ کو اس سے غیر معمولی محبت وانس پیدا ہوگیا۔ ادھر زید ؓ کا والد حارثہ اپنے بھائی کے ساتھ اپنے بیٹے کو تلاش کرتا ہوا مکہ مکرمہ آ پہنچا۔ وہ اپنے ساتھ مال ودولت لے کر آیا۔ اس نے ایک دن سیدہ خدیجہ ؓ کا دروازہ کھٹکھٹایا، آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو اس نے اپنی آمد کا مدعا بیان کرتے ہوئے عرض کیا: میں زید کا والد ہوں۔ آپ جتنا مال چاہیں لے لیں مگر میرا بیٹا واپس کردیں۔ ادھر مکارم اخلاق کی انتہا تھی۔ ارشاد فرمایا: مال ودولت

زید کی شکل وصورت، عادات اور اخلاق واطوار کسی طور بھی غلاموں جیسے نہ تھے۔۔۔

> "زید ﷜ کو اپنے ہمراہ لیا اور کعبۃ اللہ میں جا کر اعلان کیا: آج سے زید غلام نہیں، میرا بیٹا ہے"

کی بات نہیں، تم اپنے بیٹے سے پوچھ لو اگر وہ مجھے چھوڑ کر جانا چاہتا ہے تو لے جاؤ مجھے کوئی مال نہیں چاہیے، لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں زبردستی اسے اپنے سے دور نہیں کروں گا۔ حارثہ کہنے لگا: آپ نے تو انصاف سے بھی بڑھ کے بات کر دی، چنانچہ جب زید ﷜ سے پوچھا گیا کہ وہ محمد ﷺ کے پاس رہنا چاہتا ہے یا اپنے والد کے ساتھ جانا چاہتا ہے تو اس نے کہا: جس شخصیت کے پاس میں رہ رہا ہوں اس میں ایسی غیر معمولی خوبیاں ہیں کہ ان کی شفقت اور محبت والدین سے بھی بڑھ کر ہے، لہٰذا میں مکہ ہی میں آپ ﷺ کے پاس رہنا پسند کروں گا۔ والد اور چچا یہ غیر متوقع جواب سن کر ہکا بکا رہ گئے۔ انہوں نے کہا: زید! تمہیں کیا ہو گیا کہ تم غلامی کو آزادی پر فوقیت دے رہے ہو؟ مگر زید ﷜ نے کہا: میں نے خوب سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور اپنے فیصلے کو برقرار رکھا۔ آپ ﷺ کو بھی سیدہ خدیجہ ﷝ کے دیے ہوئے اس انمول تحفے پر اس قدر پیار آیا کہ زید ﷜ کو اپنے ہمراہ لیا اور حرم پاک میں کعبۃ اللہ کے سائے میں جا کر اعلان فرمایا: آج سے زید (﷜) میرا غلام نہیں، بیٹا ہے۔ یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور میں اس کا وارث بنوں گا۔[1]

آپ ﷺ نے زید ﷜ کی شادی ان کی خواہش پر اپنے گھر کی سب سے معتمد لونڈی اور آپ ﷺ کو گود کھلانے والی ام ایمن ﷝ سے کر دی۔ زید ﷜ نے رسول اللہ ﷺ سے سن رکھا تھا کہ جو شخص کسی جنتی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہو وہ ام ایمن سے شادی کر لے۔ اس سعادت مند جوڑے سے اسلامی تاریخ کے سب سے کم عمر کمانڈر اسامہ بن زید ﷠ پیدا ہوئے۔ زید بن حارثہ ﷜ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے آغاز ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

① تاریخ دمشق الکبیر: 21/244.

مکہ مکرمہ کے قریب جبل نور پر واقع غار حرا
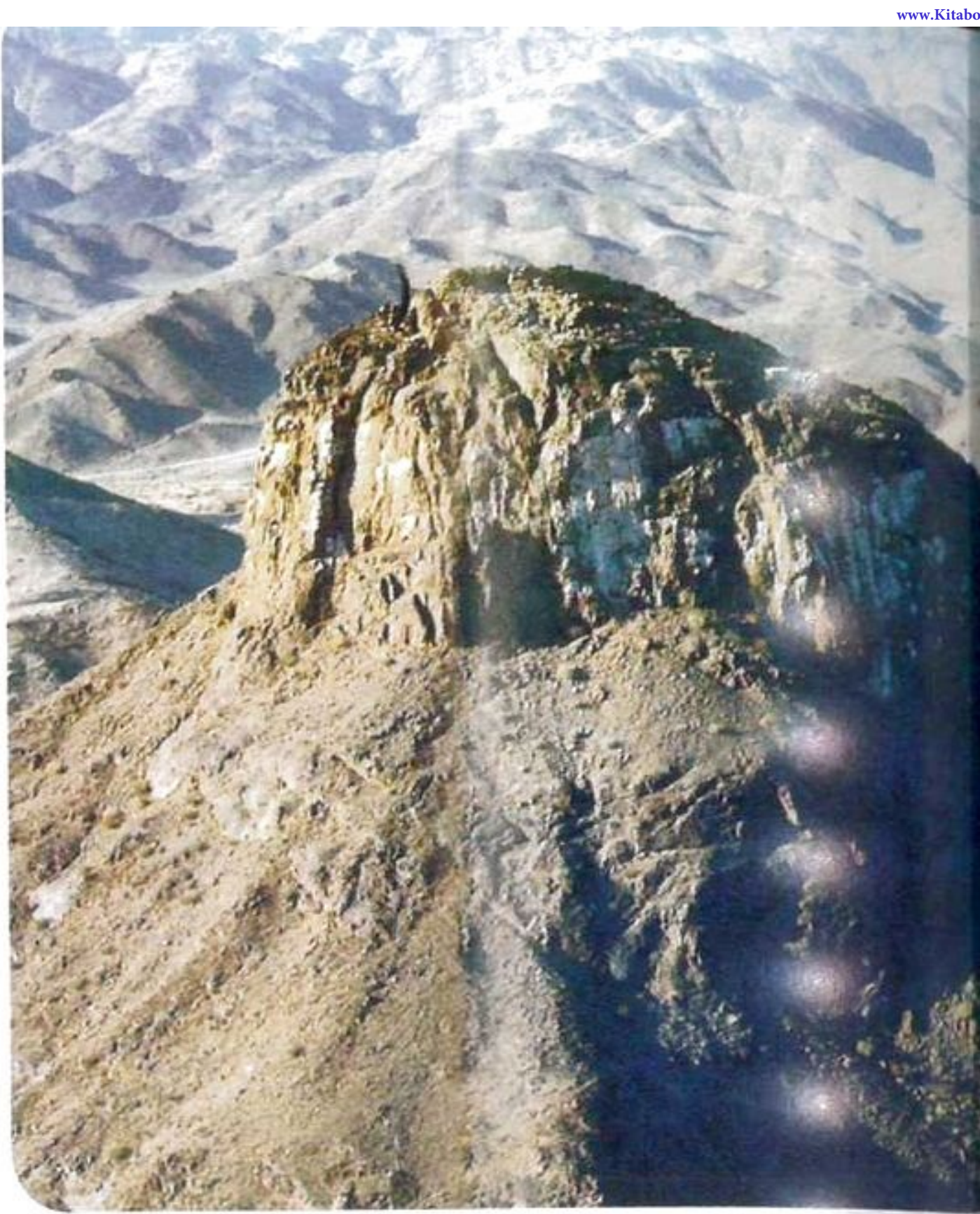
اِک نئی منزل......

غارِ حرا
اور اس عرصے میں سیدہ خدیجہ ﷝ کا تعاون

آپ ﷺ گھر سے ستو اور پانی کا زاد لے کر مکہ مکرمہ سے کم وبیش 3، 4 کلومیٹر کے فاصلے پر حرا نامی پہاڑ کے ایک غار میں تشریف لے جاتے۔ وہاں کئی کئی روز تک قیام پذیر رہتے۔ چھوٹا سا غار جس کا طول وعرض کوئی زیادہ نہ تھا۔

بعض اوقات سیدہ خدیجہ ﷝ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہوتیں اور قریب ہی کسی جگہ بیٹھ جاتیں۔ آپ ﷺ وہاں پر عبادت کرتے۔ کائنات کے مشاہد اور اس کے پیچھے کارفرما قدرت نادرہ پر غور فرماتے، آنے جانے والے مسکینوں کو کھانا کھلاتے اور جب زاد ختم ہو جاتا تو آپ ﷺ واپس

گھر تشریف لے جاتے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور بچیاں آپ ﷺ کا استقبال کرتیں۔ آپ ﷺ گھر کے ضروری کام سرانجام دیتے، مزید اشیاء ہمراہ لیتے اور پھر غار کا رخ فرما لیتے۔[1] اس دوران بچیوں کی دیکھ بھال، ان کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے لے رکھی تھی۔ انہوں نے اس ذمہ داری کو نہایت احسن انداز میں سرانجام دیا۔ اس زمانے میں بچیوں کی شادی جلد کر دی جاتی تھی۔ بچی ذرا بڑی ہوتی تو اس کی نسبت یا نکاح ہو جاتا اور جیسے ہی بالغ ہوتی اس کی رخصتی کر دی جاتی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن کا نام سیدہ ہالہ رضی اللہ عنہا تھا۔ جن کے ایک بیٹے سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ تھے۔ بہنوں کا آپس میں پیار ایک فطری چیز ہے اور ان کی خواہش بھی ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسری کے ساتھ اپنے رشتوں کو مزید پختہ اور گہرا کریں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ ذرا بڑی ہوئیں تو ایک دن سیدہ ہالہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے انہیں اپنے بیٹے ابوالعاص کے لیے مانگ لیا۔

"آپ ﷺ غار میں عبادت کرتے، کائنات کے مشاہدہ اور اسکے پیچھے کارفرما قدرت پر غور فرماتے، بعض اوقات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ ہوتیں"

ابوالعاص بن ربیع قریشی اور مکہ مکرمہ کے مشہور تاجروں میں سے تھے۔ یہ نہایت شریف النفس انسان تھے۔ (ان کے تفصیلی حالات ہم سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی قلم بند کرتے ہوئے بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے اپنی بہن کی اس رغبت کا ذکر کیا کہ وہ زینب (رضی اللہ عنہا) کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں تو آپ ﷺ نے اس پر اپنی موافقت کا اظہار کر دیا۔ اس کے بارے میں سیرت

---

[1] شرح الزرقاني:1/392.

شام کے وقت غار حرا سے مکہ شہر کا نظارہ تصویر میں حرم مکی بھی دیکھا جا سکتا ہے

نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ بعثت نبوی سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔ بعثت کے بعد ان کی رخصتی عمل میں آئی اور یہ اپنے خاوند ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے گھر چلی گئیں۔ ایک ماں کے لیے اس سے بڑی اطمینان بخش کوئی چیز نہیں ہوتی کہ اس کا داماد خوبصورت اور خوب سیرت ہو۔ اعلیٰ گھرانے سے تعلق رکھتا ہو۔ بیٹی اور داماد میں مثالی محبت ہو۔ ہر چند کہ سردار ابوالعاص بن ربیع نے بہت بعد میں اسلام قبول کیا مگر دونوں میاں بیوی میں مثالی محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ابوالعاص نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں تو ان سے کئی سال جدائی رہی مگر اس شریف النفس انسان نے دوسری شادی نہیں کی۔

ابولہب اللہ کے رسول ﷺ کا چچا تھا۔ اس نے اپنے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لیے سیدہ رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگ لیا۔ چنانچہ ان دونوں صاحبزادیوں کا نکاح ان سے کر دیا گیا لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی اور یہ دونوں ابھی تک والدین کے گھر ہی میں تھیں۔ جہاں تک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

کا تعلق ہے تو بعثت نبوی کے وقت ان کی عمر بہت کم تھی۔ آپ ﷺ کے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ جن کا لقب طیب اور طاہر تھا، بعثت کے بعد پیدا ہوئے اور چھوٹی عمر ہی میں وفات پا گئے تھے۔ ان کا ذکر بھی ہم آگے چل کر کریں گے۔

اوپر کے سارے حالات وواقعات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک بڑی بھرپور زندگی گزار رہی تھیں۔ گھر کا ماحول بہت عمدہ اور مثالی تھا۔ اولاد کی تربیت نہایت اعلیٰ معیار پر انجام پا رہی تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی دولت کی کبھی پروا نہ کی۔ یہ دولت پوری طرح رسول اللہ محمد ﷺ کے تصرف میں تھی۔ ادھر اللہ رب العزت خیر البشر، سید ولد آدم کو ایک بہت بڑی ذمہ داری کے لیے تیار کر رہا تھا۔ تین سال کا عرصہ آپ ﷺ نے خلوت میں گزارا۔ آپ ﷺ کا غار حرا تشریف لے جانا، وہاں یکسو ہو کر عبادت کرنا اور آسمان و زمین کی خلقت پر غور کرنا اسی وقت ممکن تھا جب گھر کے معاملات بڑے عمدہ طریقے سے چل رہے ہوں اور گھریلو معاملات میں کسی قسم کی پریشانی لاحق نہ ہو۔
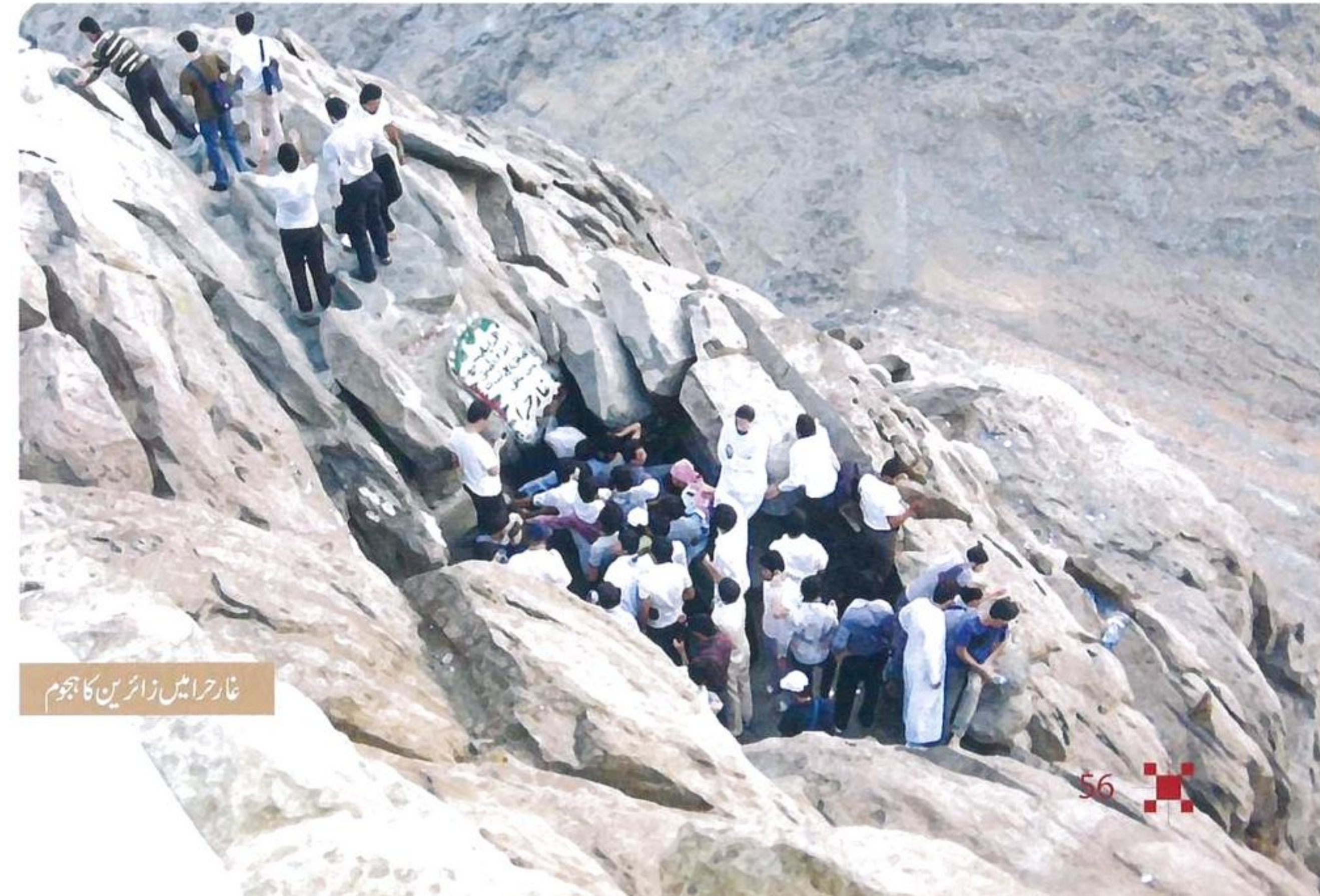
غار حرا میں زائرین کا ہجوم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بعثت سے قبل

اشارات نبوت

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس برس ہوئی...... اور یہی پیغمبروں کی بعثت کی عمر ہے...... تو آثار نبوت جگمگانا شروع ہو گئے۔ یہ آثار سچے خواب تھے۔ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے سچا ہو جاتا اور جس طرح آپ ﷺ دیکھتے اسی طرح پورا ہو جاتا۔[1] اس حالت میں چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا۔

① صحيح البخاري، حديث:6982.

"آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے سچا ہوتا اور جس طرح دیکھتے اسی طرح پورا ہو جاتا تھا"

ڈاکٹر مہدی رزق اللہ اپنی تالیف لطیف ''سیرت نبوی'' کے صفحہ 224 پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی۔ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہوتا، پھر آپ ﷺ وتنہائی بہت عزیز رہنے لگی۔ آپ ﷺ غار حرا میں خلوت گزیں رہتے تھے۔ گھر واپس آنے سے پہلے کئی راتیں عبادت میں گزار دیتے تھے۔ آپ ﷺ اپنی مدت قیام کے لیے کھانے پینے کا سامان لے جاتے، پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آجاتے، پھر اگلے ایام کے لیے کھانے پینے کا

سامان لیتے اور غار حرا چلے جاتے۔ ایک دن آپ ﷺ غار حرا میں تھے کہ اچانک آپ ﷺ کے پاس ''پیغام حق'' آ پہنچا۔ [1]

[1] صحيح البخاري، حديث: 6982.

حدیث پاک میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(إِنِّي لَأَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ، إِنِّي لَأَعْرِفُهُ الْآنَ)

''میں مکہ میں ایک پتھر کو جانتا ہوں، وہ بعثت سے قبل مجھے سلام کیا کرتا تھا، میں آج بھی اسے پہچانتا ہوں''۔ [1]

یہ بھی روایت ہے کہ دو فرشتے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ اس وقت آپ ﷺ مکہ مکرمہ کی ایک وادی میں تھے۔ ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا: انہیں ایک آدمی کے وزن سے تولو۔ آپ ﷺ کو تولا گیا تو آپ ﷺ اس پر بھاری رہے حتی کہ آپ ﷺ کو آپ کی امت کے ایک ہزار افراد کے مقابلے میں وزن کیا گیا تب بھی آپ ﷺ ان سب سے وزنی ہوئے۔ اس فرشتے نے کہا: ''اگر تم انہیں ساری امت کے مقابلے میں تولو گے تب بھی یہی وزنی رہیں گے۔'' پھر ایک فرشتے نے کہا: ''ان کا پیٹ چیر دو۔'' دوسرے نے آپ ﷺ کو لٹا کر آپ کا سینہ مبارک چیرا اور آپ کا دل نکال کر اس میں سے شیطان کا حصہ نکال پھینکا جو خون کے ایک لوتھڑے کی شکل کا تھا، پھر ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا: ان کا سینہ اچھی طرح دھو ڈالو جیسے برتن دھویا جاتا ہے۔ اس نے خوب دھویا۔ پھر ''سکینت'' منگوائی اور آپ ﷺ کے دل میں بھر دی۔ پھر ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا: ''اب اسے سی دو۔'' اس نے سی دیا۔ پھر دونوں نے آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان مہر

لگا دی۔ بعدازاں وہ دونوں چلے گئے۔ اس دوران آپ ﷺ کو یوں محسوس ہوتا رہا کہ آپ ﷺ اس سارے عمل کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ [2]

[1] صحيح مسلم، حديث: 2277. [2] مجمع الزوائد: 255/8.

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آپ ﷺ کی نبوت کے بارے میں پیش گوئی

ایک روایت ایسی بھی ملتی ہے کہ آپ ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رخصت ہوئے، پھر واپس آئے اور انہیں بتایا کہ میرا سینہ چیرا گیا ہے۔ اسے بڑی صفائی سے دھویا گیا ہے، پھر سی کر حسب سابق بند کر دیا گیا ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا (فرط مسرت سے) کہنے لگیں: ''واللہ! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ خوش ہو جائیے کہ آپ کو نبوت ملنے والی ہے۔'' [1] نبی رحمت ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''مجھے روشنی نظر آتی ہے اور میں ایک آواز بھی سنتا ہوں۔ کبھی کبھی مجھے خیال گزرتا ہے کہ کہیں مجھے جنون تو نہیں؟'' سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''ابن عبد اللہ! ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے ایسا سلوک کبھی نہیں کرے گا۔'' پھر وہ آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ انہیں پوری تفصیل بتائی تو وہ کہنے لگے: ''اگر یہ سچ ہے تو پھر یہ اسی فرشتے کی طرح ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترتا تھا۔ اگر میری زندگی میں انہیں نبی بنا دیا گیا تو میں ان کی پوری تائید کروں گا، بھرپور مدد کروں گا اور ان پر ایمان لاؤں گا۔ [2]

''واللہ! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ خوش ہو جائیے کہ آپ کو نبوت ملنے والی ہے''

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 142/2. [2] الفتح الرباني: 207/20.

آغازِ وحی

غارِ حرا میں خلوت نشینی کا تیسرا سال آیا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ روئے زمین کے باشندوں پر اس کی رحمت کا فیضان ہو، تب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مقام نبوت سے سرفراز فرمایا۔ جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی چند آیات لے کر آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ یہ پیر کی رات 10 اگست 610 عیسوی اور رمضان المبارک کی 21 ویں تاریخ کی مبارک گھڑیاں تھیں جب حق تعالیٰ نے کائنات کے باسیوں پر اپنا فضل وکرم فرمایا اور پہلی وحی نازل ہوئی۔[1] وحی کے نزول کا واقعہ غیر معمولی تھا۔

[1] الرحیق المختوم، ص: 97.

جب جبریل امین علیہ السلام پہلی وحی لے کر آئے تو آپ ﷺ اس وقت غار حرا میں عبادت میں مشغول تھے۔ وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے: پڑھیے۔ آپ ﷺ نے کہا: ”میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔“ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتے نے مجھے
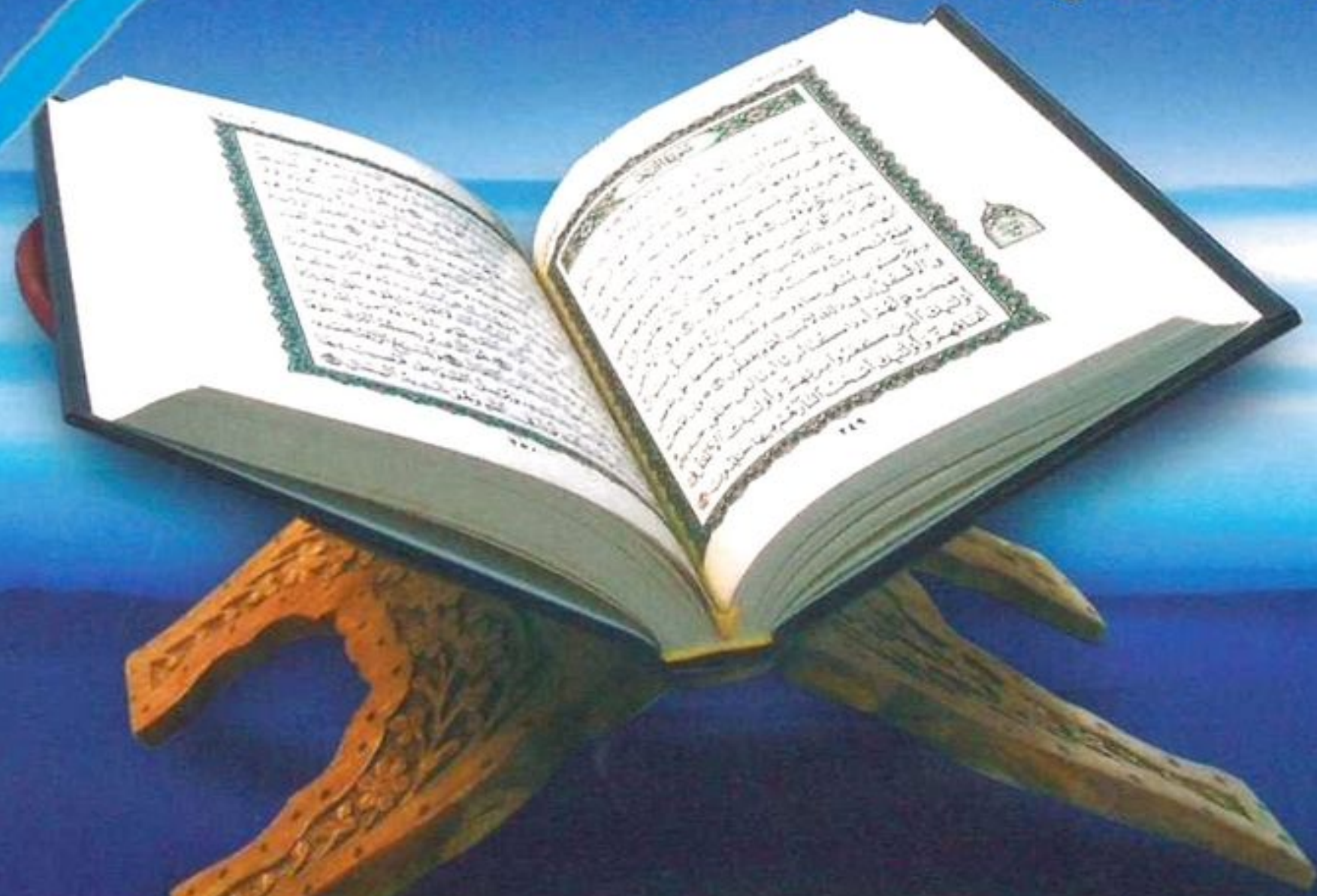
پکڑ کر زور سے دبایا جس سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھیے۔ میں نے کہا: ”میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔“ اس نے دوسری بار مجھے زور سے پکڑ کر دبایا، حتی کہ مجھے شدید تھکاوٹ محسوس ہوئی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھیے۔ میں نے کہا: ”میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔“ تیسری بار پھر ایسا ہی ہوا۔ اس نے کہا: ”اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کرم کرنے والا ہے۔ وہ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ اس نے انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔“

وحی کا آنا، فرشتے کا ایک بار نہیں بلکہ تین بار دبانا اور اس سے تکلیف ہونا، یہ واقعہ کوئی معمولی نہ تھا۔ آپ ﷺ کو اس سے خاصی گھبراہٹ ہوئی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ وحی کی آیات پڑھتے ہوئے گھر کو چلے تو

آپ ﷺ کے شانے لرز رہے تھے۔ گھر پہنچے تو دکھ سکھ کی ساتھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حسب سابق خندہ روئی سے استقبال کیا۔ ارشاد ہوا: ''زَمِّلُونِي...... زَمِّلُونِي'' ''مجھے چادر اوڑھادو...... مجھے چادر اوڑھادو۔'' زَمِّلُونِي کے معنی لحاف اوڑھانا بھی کیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ پر کپکپی طاری تھی، چنانچہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو لحاف یا چادر اوڑھادی اور جب خوف دور ہوا تو آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''خدیجہ! مجھے کیا ہو گیا ہے؟'' پھر انہیں پورا واقعہ سنایا اور فرمایا:

(لَقَدْ خَشِيتُ عَلٰى نَفْسِي)

''مجھے تو اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔''

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موقع شناسی اور دانائی:

اب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دانائی اور سمجھداری ملاحظہ فرمائیے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو بڑے خوبصورت الفاظ میں تسلی دی، کہنے لگیں:

(كَلَّا وَاللّٰهِ! مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا)

''ہرگز نہیں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔''

پھر آپ ﷺ کی اعلیٰ صفات کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ کے عمدہ اخلاق کی گواہی دی کہ آپ تو رشتے جوڑتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، عاجز لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیروں اور ناداروں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور ناگہانی آفات میں متاثرین کی مدد کرتے ہیں۔ [1]

[1] صحيح البخاري، حديث: 3.

قارئین کرام! سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ پر غور فرمائیں۔ ام المؤمنین نے جہاں آپ ﷺ کو تسلی دی وہاں موقع کی مناسبت سے سید ولد آدم ﷺ کے مکارم اخلاق کا تذکرہ بھی

کر دیا اور بتلا دیا کہ نبوت ملنے سے پہلے بھی آپ ﷺ کس عمدہ کردار اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جو شخص اس قسم کے اخلاق کا مالک ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرتا، بلکہ ایسی شخصیات کو عزت اور شرف عطا کرتا ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مزید تسلی کے لیے ایک مرتبہ پھر اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل کے گھر کا رخ کیا۔ آپ ﷺ کو ہمراہ لیا اور وہاں جا کر ورقہ سے کہا: بھائی! اپنے بھتیجے سے سنیے، یہ کیا کہتے ہیں؟ ورقہ جو اس وقت ضعیف ہو چکے تھے اور نابینا بھی تھے، آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں: آپ کو کیا دکھائی دیتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ ورقہ پکار اٹھے: یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔ کاش! میں قوی ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کو آپ کی قوم نکال دے گی۔ آپ ﷺ نے تعجب سے پوچھا: کیا یہ مجھے نکال دیں گے؟ انہوں نے جواب میں کہا: ہاں، جو بھی آپ ﷺ جیسا پیغام لے کر آیا اس سے دشمنی کی گئی اور اسے تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر مجھے آپ کی نبوت کے اعلان کا دن دیکھنا نصیب ہوا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا اور ساتھ دوں گا۔ [1] اس ساری گفتگو کے دوران سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ وہ اپنے آپ کو آنے والی آزمائشوں اور قربانیوں کے لیے تیار کر رہی تھیں جو راہ حق کے مسافروں اور توحید کے علم برداروں کو پیش آیا کرتی ہیں۔

[1] صحيح البخاري، حديث: 3.

محترم قارئین! آپ کو معلوم ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ آپ ﷺ کے شب و روز سے واقف تھیں۔ آپ ﷺ کی نبوت کے بارے میں سب سے پہلے انہی کو علم ہوا۔ انہی کے کانوں نے سب سے پہلے آپ ﷺ کی زبانی سارا واقعہ سنا۔ انہی نے سب سے پہلے آپ ﷺ کو تسلی دی اور رسالت کی تصدیق کی۔ جیسے ہی انہوں نے اسلام قبول کیا ان کی چاروں بیٹیوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ [1]

[1] السيرة لابن إسحاق: 130/1.

دعوتِ توحید کا آغاز
اور اہل مکہ کے رکیک حملے

اللہ کے رسول ﷺ نے ایک رب کی پرستش اور توحید کی جو دعوت لوگوں کے سامنے رکھی وہ اہل مکہ کے لیے نئی تھی۔ گزشتہ چالیس بیالیس سالہ زندگی میں آپ ﷺ نے کبھی بتوں کے خلاف بات نہیں کی تھی۔ یہ درست ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے ناموں کی نذر ونیاز دی نہ ان پر کبھی چڑھاوا چڑھایا، نہ ان کی عزت یا احترام کیا اور نہ ان کے ناموں کی قسم کھائی۔ لیکن جب چالیس بیالیس سال گزرنے کے بعد کھلے عام آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بت کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں تو مکہ والوں کو یہ بات ہضم نہ ہوسکی، حالانکہ آپ ﷺ تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین پر عمل کرنے کی دعوت ہی دے رہے تھے۔ اہل مکہ نے کچھ دیر تو صبر کیا لیکن پھر آپ ﷺ پر رکیک حملے شروع کر دیے۔ آپ ﷺ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ کہنے لگے: اس کی بات کیا سنو گے، یہ تو جادوگر ہے۔ کسی نے کہا: یہ تو (معاذ اللہ) دیوانہ ہے۔ کوئی پاگل کہہ رہا ہے۔ کوئی شاعر ہونے کا الزام دے رہا

ہے۔ گھر کے راستے میں کانٹے بچھانا، بازاروں، گلیوں اور گزرگاہوں میں بے ہودگی کا مظاہرہ کرنا، آپ ﷺ کے ساتھیوں کو مارنا پیٹنا اور ان پر ظلم وتشدد کرنا ان کا روزمرہ کا معمول بن کر رہ گیا۔

قارئین کرام: ذرا غور فرمائیں اگر کسی معزز خاتون کے شوہر کو پاگل یا دیوانہ کہا جائے تو اس پر کیا گزرے گی۔ لیکن ہوا یہ کہ جب سارے مکہ والے آپ ﷺ کی تکذیب کر رہے تھے تب اکیلی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی تصدیق کر رہی تھیں۔ جب آقا زخم کھا کر اس حال میں گھر تشریف لاتے کہ جسم پتھروں سے لہولہان ہو چکا ہوتا اور پاؤں زخمی ہو چکے ہوتے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے زخموں پر مرہم رکھتیں اور آپ ﷺ کو تسلی دیتیں۔

"جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ بت کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں تو اہل مکہ کو یہ بات ہضم نہ ہوسکی"

وہ آپ ﷺ کے قدموں میں بیٹھ جاتیں اور اپنے آقا کے چہرے سے گرد وغبار صاف کرتیں۔ آپ کا کرُتہ اٹھاتیں اور زخموں پر اپنا دوپٹا پھاڑ کر رکھتیں۔ مبارک زخمی قدموں کو پانی سے دھوتیں اور کہتیں:

(كَلَّا وَاللّٰهِ! لَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا)

''میرے آقا، میرے سرتاج! میرا رب آپ کے ساتھ ہے۔ جس کے ساتھ اللہ ہوتا ہے دنیا کی کوئی طاقت اسے پسپا نہیں کر سکتی۔''

جب گھر میں اہلیہ اتنا ساتھ دیتی، اتنے اچھے انداز میں دلاسا دیتی تو پھر آپ ﷺ اٹھتے اور اس آیت کریمہ پر عمل شروع کر دیتے:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ

’’آپ کو جو حکم ملا ہے اس کو کھول کر بیان کر دیجیے اور مشرکین سے رخ پھیر لیجیے۔‘‘ ①

آپ ﷺ مکہ کے بازاروں میں جا کر توحید کا پرچم بلند کرتے، آپ پر تشدد ہوتا تو گھر تشریف لاتے اور ایک مرتبہ تو نبی کائنات ﷺ کے ساتھ بے حد و حساب بے ادبی اور بے مروتی کی گئی۔

آپ ﷺ بیت اللہ الحرام میں نوافل ادا کر رہے تھے۔ ابو جہل اور اس کے کچھ رفقاء بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ابو جہل نے کہا: کون ہے جو بنو فلاں کے اونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد (ﷺ) سجدے میں جائیں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے۔ یہ سن کر اس قوم کا بدبخت ترین شخص عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اوجھڑی لا کر انتظار کرنے لگا۔ جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو اسے آپ ﷺ کی پیٹھ پر دونوں کندھوں کے درمیان ڈال دیا۔ کسی نے جا کر آپ ﷺ کے گھر اطلاع کر دی تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دوڑتی ہوئی آئیں اور آپ ﷺ کی پیٹھ سے اوجھڑی ہٹائی۔ اس وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بہت چھوٹی تھیں۔ ان کی عمر محض چار پانچ برس تھی۔

دعوت توحید جیسے جیسے پھیلتی چلی گئی، قریش کی جھنجلاہٹ میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ابولہب کا گھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے ساتھ ہی تھا۔ وہ اور اس کی بیوی ام جمیل نبی کریم ﷺ کی عداوت اور دشمنی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ ایک بڑے اور مشہور باپ کی بیٹی ہونے کے باوجود وہ جنگل میں جاتی، وہاں سے کانٹے چنتی اور انہیں اللہ کے رسول ﷺ کی راہ میں بچھا دیتی۔ ابولہب بھی کسی سے کم نہ تھا، وہ دروازے پر گندگی ڈال دیتا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، ان کی بیٹیاں اور گھر کے خادم اس گندگی کو اٹھاتے اور سید ولد آدم ﷺ صرف اتنا کہتے: اے بنو عبد المطلب! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟۔ ایک روایت میں ہے: اے بنو عبد مناف کیا ہمسائے ایسے ہوتے ہیں؟! ①

① الحجر 15:94

① السيرة لابن هشام: 2/416.

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مثالی کردار

ان حالات میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کے گھرانے کا کردار بڑا مثالی تھا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا خود آپ ﷺ کی خدمت کرتیں، اپنے ہاتھوں سے آپ ﷺ کے لیے کھانا پکاتیں اور لے جا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتیں۔ ①

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس سالن یا کھانے کا برتن لے کر آرہی ہیں جب وہ آئیں تو انہیں ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہہ دیں

”یا رسول اللہ! یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس سالن یا کھانے کا برتن لے کر آرہی ہیں جب وہ آئیں تو انہیں ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہہ دیں“

① صحيح البخاري، حديث: 3820.

اور انہیں جنت میں موتی کے ایک محل کی بشارت دیں جس میں نہ تو شور ہوگا اور نہ کوئی تکلیف ہوگی۔[1]

[1] صحيح البخاري، حديث:3820.

اس حدیث شریف کو پڑھنے کے بعد ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ عظیم خاتون خدمت کے اس اعلیٰ مقام پر فائز تھیں کہ اپنے ہاتھوں میں سالن یا کھانے کا برتن لے کر سید ولد آدم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور آپ ﷺ کی خدمت سرانجام دیتی تھیں۔

اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں ایک بات کی طرف اشارہ ضروری سمجھتا ہوں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے شادی کی رغبت ان الفاظ کے ساتھ ظاہر کی تھی۔

(يَا ابْنَ عَمِّ! إِنِّي قَدْ رَغِبْتُ فِيكَ لِقَرَابَتِكَ مِنِّي وَ شَرَفِكَ فِي قَوْمِكَ وَأَمَانَتِكَ عِنْدَهُمْ وَحُسْنِ خُلُقِكَ وَصِدْقِ حَدِيثِكَ)

''میرے چچازاد! آپ کی مجھ سے قرابت، اپنی قوم میں آپ کے اعلیٰ مقام، ان کے نزدیک آپ کی امانت داری، آپ کے حسن اخلاق اور صدق کلام کے باعث میں آپ کے ساتھ نکاح کی رغبت رکھتی ہوں۔''[1]

[1] أسد الغابة: 261/5.

اب جو عورت اپنے خاوند کے اعلیٰ اخلاق و کردار سے شروع دن سے متاثر ہو وہ اپنے خاوند کی عزت و احترام کیسے نہ کرے گی، اس پر اپنی دولت اور جان کیسے نچھاور نہ کرے گی؟!

اہل مکہ کی گھناؤنی چال اور اللہ تعالیٰ کی رحمت

جب قریش نے دیکھا کہ اسلام مسلسل پھیلتا جا رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ مسلسل دعوت کا کام کر رہے ہیں تو انہوں نے سوچا کیوں نہ انہیں گھریلو مسائل میں الجھایا جائے۔ بیٹیاں کسے پیاری نہیں ہوتیں۔ آپ ﷺ کی بیٹیوں میں سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اور رخصتی ہو چکی تھی جبکہ سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا ابولہب کے دونوں بیٹوں کے ساتھ نکاح ہو چکا تھا تاہم ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ قریش نے ان سب کو لالچ دیا کہ اگر وہ محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو طلاق دے دیں تو قریش کی جس لڑکی کے ساتھ وہ نکاح کرنا چاہیں کرا دیا جائے گا۔

ابو العاص نے تو انہیں منہ توڑ جواب دیا (جس کا ذکر آگے آئے گا) البتہ ابولہب کے دونوں بیٹوں نے لالچ میں آ کر یہ کام کر دیا۔

"انسانی آنکھ نے جو خوبصورت ترین جوڑا دیکھا وہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جوڑا ہے"

سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو ابولہب کے بیٹوں کا طلاق دینے سے مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کو اور آپ کے گھر والوں کو پریشان کیا جائے۔ وہ سعادت اور خوشیوں سے بھری ہوئی جو زندگی گزار رہے ہیں اس میں رخنہ اندازی کی جائے مگر قریش کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا کیونکہ طلاق کے فوراً بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے لیے شادی کا پیغام ارسال کر دیا۔ ابولہب اور اس کے بیٹوں کے

لیے رسوائی مقدر تھی اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے لیے ابدی سعادت لکھی ہوئی تھی۔ وہ بالکل ابتدا میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے۔ انہیں اسلام کی دعوت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دی اور انہوں نے چون و چرا کیے بغیر دعوت حق پر لبیک کہا اور دین اسلام میں داخل ہو کر (اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ) کی صف میں کھڑے ہو گئے۔ مسلمان ہونے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اخوت ایمانی اور محبت قلبی کی کڑیاں نہایت مضبوط ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے اسباب پیدا فرما کر آپ رضی اللہ عنہ کو بہت بڑے اعزاز سے نوازا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی تو رسول اللہ ﷺ نے اس رشتے کو قبول فرمایا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بڑے مال دار، خوبصورت اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک تھے۔ اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی حسن سیرت اور حسن صورت میں بے مثل تھیں۔ یہ شادی فوراً طے پا گئی۔ رخصتی کے وقت اس مبارک جوڑے کو یہ خراج تحسین پیش کیا گیا کہ

"انسانی آنکھ نے جو خوبصورت ترین جوڑا دیکھا وہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جوڑا ہے۔"[1]

[1] تاریخ دمشق: 41/20.

ابولہب اور اس کے گھرانے کی بدقسمتی کہ ان کی خواہش تھی کہ وہ آپ ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق دلوا کر آپ ﷺ کے گھر میں رنج و حزن کی فضا قائم کر دیں گے یا کم از کم آپ ﷺ کو کمزور کر دیں گے مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ پہلے سے طے شدہ تھا کہ آپ ﷺ کی بیٹیوں کے لیے پہلے سے کہیں عمدہ اور احسن

انتظام ہو گیا۔

محترم قارئین! جیسے جیسے ہم اس عظیم مرتبہ امی جان کے حالات زندگی پڑھتے جاتے ہیں ان کے ساتھ محبت اور احترام میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس مبارک گھرانے میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پچھلے دو خاوندوں سے اولاد بھی موجود تھی۔ وہ ان کی بھی تربیت کر رہی تھیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اپنے ماموں سے فرمائش

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہند بن ابی ہالہ اسدی تمیمی رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کیا، پھر ہجرت کی سعادت حاصل کی اور یہ بدر کے میدان میں بھی موجود تھے۔ یہ نہایت فصیح و بلیغ تھے، گفتگو اتنی خوبصورت کرتے کہ سننے والا اس کی لذت میں کھو جاتا۔ ایک دن ان کے بھانجے سیدنا حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے ان سے اپنے نانا محترم ﷺ کا حلیہ بیان کرنے کے لیے فرمائش کی۔ ان کے سوال کرنے کا انداز بھی بڑا خوبصورت تھا۔ خود فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ماموں جان! آپ ہمیں بتلائیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا حلیہ مبارک کیسا تھا؟ اس کے جواب میں جناب ہند رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ کا جو حلیہ اور اوصاف بیان کیے اس میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے۔ ان کے طویل جواب کے خوبصورت الفاظ کا ایک حصہ یہاں ذکر کیا جا رہا ہے جسے پڑھ کر آدمی عش عش کر اٹھتا ہے کہ کس محبت، پیار اور دقت نظر سے انہوں نے آپ ﷺ کے اوصاف بیان کیے ہیں۔ اس سے آپ کو بآسانی اندازہ ہو جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ربائب یعنی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوندوں سے ہونے والی اولاد کی عمدہ اور اعلیٰ تعلیم و تربیت پر کس قدر توجہ مبذول فرمائی۔ حالانکہ لوگ اس نوع کے بچوں کو اپنے اوپر بوجھ خیال کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک

ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں رسول کریم ﷺ کا حلیہ مبارک ملاحظہ فرمائیے:

’كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَخمًا، مُفَخَّمًا، يَتَلأْلأُ وَجُهُهُ تَلأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، أَطْوَلَ مِنَ الْمَرْبُوعِ، وَأَقْصَرَمِنَ الْمُشَذَّبِ‘

’’رسول اللہ ﷺ اپنی ذات میں بھی عظیم تھے اور دیکھنے والے کے قلب ونظر میں بھی آپ ﷺ کی عظمت وہیبت پیوست ہوجاتی تھی۔ چہرۂ انور چودھویں کے چاند کی طرح دمکتا تھا۔ نہ پستہ قد تھے نہ بہت لمبے بلکہ درمیانہ قامت تھے۔‘‘

”چہرۂ انور چودھویں کے چاند کی طرح دمکتا تھا۔ نہ پستہ قد تھے نہ بہت لمبے بلکہ درمیانہ قامت تھے“

’عَظِيمَ الْهَامَةِ، رَجِلَ الشَّعْرِ، إِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيقَتُهُ فَرَقَ، وَإِلَّا فَلَا يُجَاوِزُ شَعْرُهُ شَحْمَةَ أُذُنِهِ إِذَا هُوَ وَفَّرَهُ‘

’’پروقار بھاری سر مبارک، بال نرم اور سیدھے تھے۔ اگر سر کے بال آسانی سے دائیں بائیں تقسیم ہونے والے ہوتے تو انہیں دو حصوں میں تقسیم کر کے سر کے درمیان مانگ نکال لیتے ورنہ بالوں کی لمبائی وفرہ کی حالت میں بھی کانوں کی لو سے نیچے نہ جاتی۔‘‘

’أَزْهَرَ اللَّوْنِ، وَاسِعَ الْجَبِينِ، أَزَجَّ الْحَوَاجِبِ، سَوَابِغَ فِي غَيْرِ قَرَنٍ بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ، أَقْنَى الْعِرْنِينِ، لَهُ نُورٌ يَعْلُوهُ، يَحْسَبُهُ مَنْ لَمْ يَتَأَمَّلْهُ أَشَمَّ‘

’’سفید صاف چمکدار رنگ، کشادہ پیشانی اور ابرو باریک بالوں سے پُر، آپس میں ملے ہوئے نہ تھے، قوس کی طرح خمدار تھے اور دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے وقت خون سے پُر ہوجاتی۔ لمبی باریک ناک، درمیان میں قدرے مرتفع، اس پر مستزاد نورانی

جھلک جو اس پر چھائی رہتی تھی، سرسری نظر میں ناک کا بانسہ بلند محسوس ہوتا۔‘‘

’كَثَّ اللِّحيَةِ، سَهْلَ الْخَدَّيْنِ، ضَلِيعَ الْفَمِ، مُفْلَجَ الْأَسْنَانِ، دَقِيقَ الْمَسْرُبَةِ، كَأَنَّ عُنُقَهُ جِيدُ دُمْيَةٍ، فِي صَفَاءِ الْفِضَّةِ، مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ، بَادِنٌ مُتَمَاسِكٌ‘

’’گھنی اور گنجان ڈاڑھی مگر بال لٹکے ہوئے نظر نہ آتے بلکہ سمٹے ہوئے لگتے۔ نرم رخسار، ابھرے ہوئے نہ باہر کو نکلے ہوئے دہن مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا، دندان مبارک باریک آبدار، سامنے کے دانتوں میں خوشنما شگاف تھا۔ مورنی جیسی پتلی، سیدھی گردن، چاندی کی طرح سفید جیسے سنگ مرمر یا ہاتھی دانت سے تراشی گئی ہو۔ معتدل اور متناسب اعضائے جسم، معتدل بھاری اور باوقار بدن لیکن اعضاء ایک دوسرے سے پیوست رہتے، یعنی عضلات ڈھیلے نہ تھے اور ادھیڑ عمری میں بھی جوانوں کی سی شان تھی۔‘‘

’سَوِيَّ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ، عَرِيضَ الصَّدْرِ، بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، ضَخْمَ الْكَرَادِيسِ، أَنْوَرَ الْمُتَجَرَّدِ، مَوْصُولَ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ يَجْرِي كَالْخَطِّ‘

’’پیٹ اور سینہ سیدھے اور ہموار، نہ باہر کو نکلے ہوئے نہ اندر کو دھنسے ہوئے، فراخ، چوڑی چھاتی، دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ، ہڈیوں کے جوڑ مضبوط اور گٹھے ہوئے، منور

> **معتدل اور متناسب اعضائے جسم، بھاری اور باوقار بدن، عضلات ڈھیلے نہ تھے، ادھیڑ عمر میں بھی جوانوں کی سی شان تھی**

اور بالوں سے عاری اعضاء، سینے کے آغاز سے ناف تک بالوں کی خوبصورت باریک پٹی جو لکیر کی طرح سیدھی تھی۔‘‘

’عَارِيَ الثَّدْيَيْنِ وَالْبَطْنِ، مِمَّا سِوَى ذٰلِكَ،
أَشْعَرَ الذِّرَاعَيْنِ وَالْمَنْكِبَيْنِ وَأَعَالِي الصَّدْرِ،
طَوِيلَ الزِّنْدَيْنِ، رَحْبَ الْجَبْهَةِ،
سَبْطَ الْقَصَبِ، شَثْنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ‘

’’چھاتی اور پیٹ کا باقی حصہ بالوں سے خالی، کہنیوں سے کلائیوں تک اور کندھوں اور سینے کے بالائی حصے پر چھوٹے بالوں کی کثرت، لمبی کلائیاں، چوڑی کشادہ پیشانی، پنڈلیاں اور کلائیاں کسرتی، سیدھی، خم سے مبرا، ہتھیلیاں اور پاؤں بھرے بھرے اور پُر گوشت تھے۔‘‘[1]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: الشمائل للترمذي، حديث: 8.

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے آنگن میں ایک اور پھول

انسان کی زندگی میں مختلف ادوار آتے رہتے ہیں، کبھی دکھ کبھی سکھ، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی ان مراحل سے گزرنا پڑا۔ یکے بعد دیگرے چار بیٹیوں کی پیدائش کے بعد ان کے آنگن میں ایک اور پھول کھلا۔ اس وقت آپ ﷺ کے سر پر ختم نبوت کا تاج رکھا جا چکا تھا۔ علانیہ دعوت دی جا رہی تھی اور مکہ مکرمہ میں اسلام کے خلاف شدید کشمکش جاری تھی۔ آنے والا مولود والدین کے لیے نہایت خوشی کا باعث تھا۔ بہنیں کتنی خوش ہوئی ہوں گی۔ مولود کا نام آپ ﷺ نے اپنے والد گرامی کے نام پر عبداللہ رکھا۔ انہی کا لقب طاہر اور طیب تھا۔ دونوں کے معنی پاک، صاف کے ہیں۔

"چار بیٹیوں کی پیدائش کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے آنگن میں ایک اور پھول کھلا، نومولود کا نام دادا کے نام پر عبداللہ رکھا گیا"

جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات اور مشرکین مکہ کی بدزبانی

کچھ ہی عرصہ گزرا کہ اس پھول کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آغوش رحمت میں لے لیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے جہاں والدین کو نہایت صدمہ ہوا وہاں اسلام کے دشمنوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ ان کے گھروں میں گھی کے چراغ جلے۔ وہ خوشی کے شادیانے بجانے اور تالیاں پیٹنے لگے۔ مشہور دشمنِ اسلام عاص بن وائل نے اپنا

خبث باطن ظاہر کرتے ہوئے کہا: چلو! اچھا ہوا ان کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔ اب تو آپ ''ابتر'' ہیں۔[1] ''ابتر'' عربی زبان میں لا ولد کو کہتے ہیں، جس کا ذکر خیر کرنے والا کوئی باقی نہ رہے۔

[1] المعجم الكبير للطبراني: 4/179.

سیرت کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو کئی اور بدزبانوں نے بھی ابتر ہونے کا طعنہ دیا۔ ان طعنہ دینے والوں میں ابولہب بھی شامل تھا۔ اس کا کہنا تھا: چلیے! ان کا قصہ ختم ہوا۔ اب محمد (ﷺ) کی کوئی نرینہ اولاد تو رہی نہیں، ان کا معاملہ بس ان کی اپنی زندگی تک محدود ہے۔ ان کے دنیا سے جانے کے بعد کوئی ان کا نام لیوا نہ رہے گا۔

"بیٹے کی وفات کا صدمہ اور دشمنوں کے طعنے۔۔۔ اللہ کے رسول ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے صدمے میں اضافہ تو یقینی تھا؟"

بیٹے کی وفات کا صدمہ اور اس پر دشمنوں کے طعنے یقیناً اللہ کے رسول ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے صدمے میں اور اضافہ ہوا ہو گا مگر آدمی کا مقام و منصب جتنا بڑا ہوتا ہے اتنی ہی اس کی آزمائش بھی زیادہ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کے طعنوں کا جواب

اللہ رب العزت نے ان مشرکین کے طعنوں کے جواب میں سورۃ الکوثر نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا:

إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿١﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿٢﴾ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴿٣﴾

”بلاشبہ ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے۔ آپ اپنے رب کے لیے نماز ادا کیجیے اور قربانی کیجیے۔ بلاشبہ آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔“[1]

[1] السيرة لابن إسحاق:1/289، الكوثر 98 :1-3

اللہ رب العزت نے اس سورت کو نازل فرما کر خود اپنے نبی اور ان کے اہل خانہ کو حوصلہ دیا، ان کے دلوں پر مرہم رکھا اور کہا کہ آپ کو تو ہم نے خیر کثیر عطا کیا ہے...... یہ جو طعنے دینے والے ہیں یہ خود جڑ کٹے ہیں، چنانچہ یہ طعنے دینے والے سب کافر قتل ہوئے اور بدر کے گندے کنویں میں پھینک دیے گئے، جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کا تذکرہ، ان کی شان اور رفعت و بلندی قیامت تک باقی ہے۔

چشمِ اقوام یہ نظارہ اَبد تک دیکھے
رِفعتِ شان رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَک دیکھے

(اقبال)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے بلاشبہ اپنے بیٹے کی وفات کا صدمہ بہت بڑا تھا مگر ہمیشہ سے صبر و شکر کرنے والی اس عظیم خاتون نے کلمۂ شکر و خیر ہی ادا کیا۔

پیاری بیٹی کی حبشہ کے لیے روانگی

جب مسلمانوں پر مکہ مکرمہ میں عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو حبشہ (ایتھوپیا) کی سرزمین کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ ارشاد ہوا: اگر تم حبشہ چلے جاؤ تو وہاں ایک ایسا نیک حاکم ہے، جس کی سلطنت میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔[1] جب ہجرت شروع ہوئی اور آپ ﷺ اور آپ کے اہل خانہ نے صحابہ کو بے گھر ہوتے دیکھا تو آپ حزن و ملال کی تصویر بن گئے۔ پھر ایک دن ایسا بھی آیا جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی لاڈلی بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور پیارے داماد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو الوداع کہہ رہی تھیں۔ یہ جوڑا رجب 5 نبوی میں حبشہ پہنچا تو انہوں نے سکون کا سانس لیا۔ انہیں آزادی سے رب تعالیٰ کی عبادت کا موقع ملا اور امن و سکون سے زندگی بسر کرنے لگے۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت زیادہ نہ تھی۔[2]

> ”ارشاد ہوا:
> اگر تم حبشہ چلے جاؤ تو وہاں ایک ایسا نیک حاکم ہے، جس کی سلطنت میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا“

[1] السنن الكبرىٰ للبيهقي:13/203. [2] دلائل النبوة للبيهقي:2/297.

بیٹی کی اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ کی جانب یہ ہجرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک اور آزمائش تھی کہ ایک ماں کو اپنی بیٹی کی جدائی کا غم بھی سہنا پڑا۔

قریش کی ناکام کوششیں اور اوچھے ہتھکنڈے

نبوت کا ساتواں سال تھا۔ قریش کی اسلام کو پھیلنے سے روکنے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ اس دین کو روکنے کی جتنی کوشش کی گئی اتنا ہی وہ پھیلتا چلا گیا۔ سیدنا حمزہ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ حبشہ میں مسلمانوں کی ایک معقول تعداد بڑے پرامن طریقے سے رہ رہی تھی۔ قریش نے عمرو بن عاص کی قیادت میں ایک وفد وہاں بھیجا تھا کہ مسلمانوں کو واپس لاسکیں مگر وہ بری طرح ناکام واپس لوٹا تھا۔

مشرک اور کافر کی عقل محدود ہوتی ہے، وہ عجیب حماقتیں کرتا ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بے شمار چیلنجز درپیش تھے۔ ہر روز ان کے خاوند کے خلاف تدبیریں کی جاتیں، جو بری طرح ناکام ہو جاتیں مگر قریش اس کے باوجود باز نہ آتے۔ ایک دن تو انہوں نے بہت عجیب و غریب حرکت کر ڈالی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نہایت صبر و تحمل سے قریش کی زیادتیاں دیکھ رہی تھیں۔ ایک دن قریش کا ایک وفد سردار ابو طالب کے پاس آیا۔ ان کے ہمراہ عمارہ بن ولید تھا جو مشہور صحابی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا
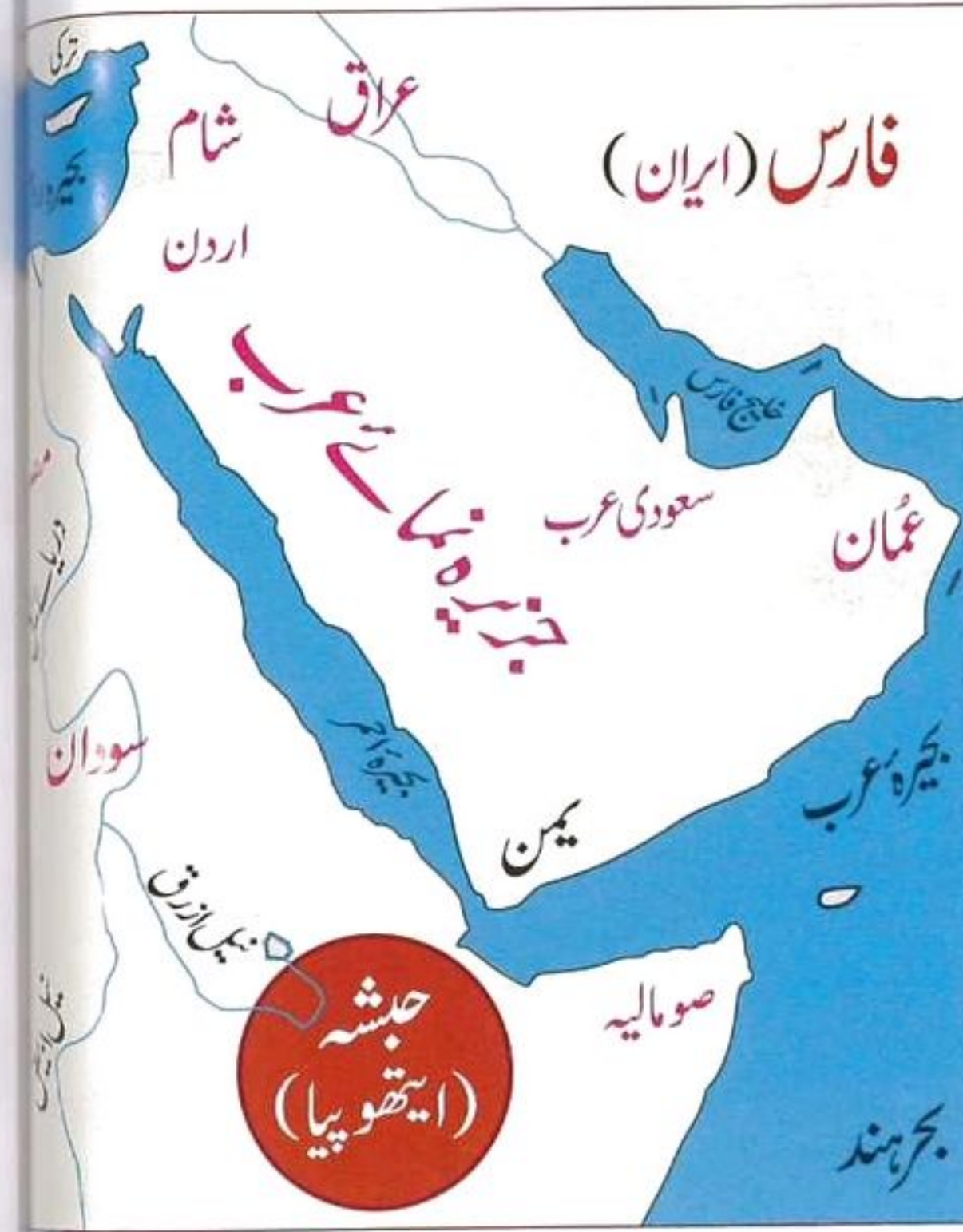
بھائی تھا۔ وہ نہایت حسین و جمیل، وجیہ اور گورا چٹا تھا، پورے مکہ میں اس جیسا خوبصورت لڑکا کوئی نہ تھا۔

وفد نے سردار ابو طالب سے کہا: سردار! دیکھیے، ہم عمارہ کو لے کر آئے ہیں۔ قریش کا سب سے خوبصورت اور بانکا جوان ہے۔ ہم عمارہ آپ کو دے دیتے ہیں، اس کی دیت اور نصرت کے آپ حقدار ہوں گے۔ آپ اسے اپنا بیٹا بنالیں اور اس کے بدلے میں اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کو ہمارے سپرد کر دیں۔ اس نے آپ کے باپ دادا کے دین کی مخالفت کی ہے، اس ناقابل معافی جرم کی سزا یہ ہوگی کہ ہم اسے قتل کر دیں گے۔ آپ کو تو بیٹے کی ضرورت ہے۔ ہم عمارہ کو اس کے بدلے آپ کے حوالے کر رہے ہیں، آج سے یہ آپ کا بیٹا ہوگا۔

بوڑھے سردار ابو طالب کی رگوں میں ہاشمی خون کھولنے لگا۔ انہوں نے وفد کو بڑی حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور گویا ہوئے: افسوس! کتنا بُرا اور غلط سودا کرنے کے لیے تم لوگ میرے پاس آئے ہو۔ اپنا بیٹا تم مجھے دے رہے ہو کہ میں اس کو پال پوس کر جوان کروں اور اپنے بیٹے کو تمہارے حوالے کر دوں کہ تم اسے لے جا کر قتل کر دو اور پھر سردار ابو طالب نے اپنی پوری توانائیاں سمیٹتے ہوئے انہیں اپنا فیصلہ سنایا: جاؤ، میری نگاہوں سے دور ہو جاؤ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

مطعم بن عدی جیسا شخص جو بڑا معتدل مزاج تھا، وہ بھی وفد میں شامل تھا، اس نے اپنی رائے دے ڈالی: ابو طالب! تم سے تمہاری قوم نے انصاف کی بات کی ہے...... لگتا ہے کہ تم قریش کی کوئی بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ سردار ابو طالب نے مطعم کو ترکی بترکی جواب دیا:

مطعم تم نے مجھ سے انصاف کی بات نہیں کی، تم بھی میرا ساتھ چھوڑ کر میرے مخالفین کی مدد کرنے پر تلے بیٹھے ہو۔ جاؤ تمہیں جو کرنا ہے کر لو، مجھے تمہاری کوئی پروا نہیں۔ [1]

[1] السیرۃ لابن ہشام: 267,266/1.

سردار ابوطالب کی دوررس نگاہ

سردار ابوطالب نے وفد کو کھری کھری سنا کر واپس کر دیا مگر سردار ابوطالب کی دوررس نگاہیں ایک آنے والے طوفان کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ قریش ان کے بھتیجے کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ ان حالات میں انہوں نے اپنے جدامجد عبدمناف کے دو صاحبزادوں ہاشم اور مطلب سے وجود میں آنے والے خاندانوں کو جمع کیا اور انہیں دعوت دی کہ اب تک وہ اپنے بھتیجے کی حفاظت وحمایت کا جو کام تنہا انجام دیتے رہے ہیں، اب وہ چاہتے ہیں کہ دونوں خاندان مل کر اسے انجام دیں۔ خاندان میں ابھی عربی حمیت باقی تھی، ابوطالب کی اس بات کو ان دونوں خاندانوں کے سارے مسلم اور کافر افراد نے قبول کرلیا، البتہ ابوطالب کا بھائی ابولہب ایسا بدبخت تھا جس نے اسے منظور نہ کیا اور سارے خاندان سے الگ ہوکر مشرکین قریش سے جاملا اور ان کا ساتھ دیا۔

"ابولہب ایسا بدبخت تھا جو سارے خاندان سے الگ ہوکر مشرکین قریش سے جاملا"

مشرکینِ قریش کے لیے یہ بھی ایک بڑا دھچکا تھا، ان کی تمام سازشیں ناکام ہورہی تھیں۔ اب قبیلہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سارے مسلم اور غیر مسلم افراد نے ایک ہوکر نبی کریم ﷺ کی حفاظت کا عہدو پیمان کیا تو مشرکین چکرا کر رہ گئے۔ [1]

① السيرة لابن هشام:351/1.

معاشی ومعاشرتی بائیکاٹ

ایک مرتبہ پھر ابلیسی ٹولہ اکٹھا ہوتا ہے اور ایک نئی شیطانی تجویز پر غور وفکر ہونے لگتا ہے۔ مجلس مشاورت میں یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اگر انہوں نے ابوطالب کے بھتیجے محمد (ﷺ) کو قتل کرنے کا اقدام کیا تو پھر مکہ کی وادی قریش کے خون سے رنگین ہو جائے گی، اس لیے انہوں نے قتل کا منصوبہ چھوڑ کر ظلم کی ایک اور راہ تجویز کی، جو اب تک کی تمام ظالمانہ کاروائیوں سے زیادہ سخت تھی۔ اس تجویز میں کہا گیا تھا کہ ان دونوں خاندانوں سے نہ تو کسی قسم کا تعلق اور بھائی چارہ رکھیں گے، نہ بات چیت کریں گے اور نہ ہی ان کے گھروں میں جائیں گے۔ اگر بنو ہاشم صلح کی پیش کش کریں گے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس فیصلے کو شق وار تحریر کر کے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا، [1] چنانچہ سردار ابوطالب اپنے خاندان کے افراد کو لے کر شعب ابی طالب میں آ گئے۔ یہ مقام مکہ سے باہر غار حرا کے قرب وجوار میں واقع ہے۔ یہ ایک پہاڑ کا درہ تھا جو خاندان بنی ہاشم کا موروثی علاقہ تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے اس کا نام شعب بنی ہاشم بھی بتلایا ہے۔

① دلائل النبوة للأصبهاني:273,272/1.

جب اللہ کے رسول ﷺ اپنے خاندان کے لوگوں کے ساتھ اس درے میں منتقل ہوئے تو آپ کے دکھ اور سکھ کی ساتھی، نازونعم میں پلنے والی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اس پرصعوبت مرحلہ میں آپ کے ہمراہ تھیں۔

مکہ مکرمہ کے ساتھ واقع شعب ابی طالب کا ایک منظر (دائرے میں شعب ابی طالب کو نمایاں کیا گیا ہے)۔

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا شعب ابی طالب میں

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا ایک کٹھن دور اس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ اپنے سرتاج کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور ہوتی ہیں۔ ذرا تصور کیجیے، ایک ایسی خاتون جس نے اپنا بچپن اور جوانی نہایت ٹھاٹھ باٹھ سے گزارا ہو۔ جس کا والد خویلد نہایت امیر کبیر اور مکہ کے مشہور تاجروں میں سے ہو اور اپنی بیٹی کے لیے بہت بڑی جائیداد چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوا ہو۔ ایک ایسی خاتون جس کے سابقہ دو شوہر بھی بڑے معروف تاجر اور نہایت مالدار رہے ہوں اور جن سے انہیں نہ صرف دولت ملی بلکہ وراثت میں کاروبار بھی ملا ہو۔ ایک ایسی خاتون جس کا مال تجارت پورے مکہ

کے تاجروں پر بھاری ہوتا تھا اور وہ متعدد لوگوں کو شراکت اور مضاربت پر اپنا مال دیا کرتی تھی، جس کو سَیِّدَۃُ نِسَاءِ قُرَیْش کا لقب ملا تھا۔ اس مالدار اور نامور خاتون کو اپنا خوبصورت گھر چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ شعب ابی طالب کا عرصہ کوئی تھوڑا نہ تھا۔ یہ تین سال کی طویل مدت تھی جو اس مقدس خاندان کے لوگوں نے نہایت صبر و تحمل سے گزاری۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد:209/1.

"ابوجہل، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا جانے والا اناج روک سکا نہ اپنے آپ کو مار پیٹ سے اور ذلیل ہونے سے بچا سکا"

اگرچہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قریبی رشتہ داروں نے فوری اسلام قبول نہ کیا تھا۔ مگر خاندان میں حکیم بن حزام بن خویلد جیسے لوگ موجود تھے۔ حکیم مسلمان نہ ہونے کے باوجود اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شدید محبت کرتے تھے اور تمام رکاوٹوں اور پابندیوں کو توڑتے ہوئے اپنی پھوپھی کو غلہ اور اناج پہنچاتے رہتے تھے۔ اس درے میں کھانے کی کوئی چیز میسر نہ تھی۔ جب ہاشمیوں کے ننھے منے بچے بھوک سے بلبلاتے اور ان کی آواز باہر دور دور تک سنائی دیتی تو سنگ دل مشرکین قریش سن سن کر خوش ہوتے۔[1] اس معاہدہ کو صحیفے کی صورت میں لکھنے والے مشرک بغیض بن عامر کا ہاتھ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا کے نتیجے میں شل ہو گیا تھا۔ قریش میں جو دیدۂ بینا رکھنے والے دانا اور رحمدل لوگ تھے وہ ان ظالموں سے کہتے کہ کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ بغیض بن عامر پر کیا گزری ہے۔[2]

[1] الطبقات لابن سعد:209/1. [2] جمهرة النسب الكلبي، ص:60.

حکیم بن حزام کا تحفہ اور ابوجہل کی اوچھی حرکت

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام قریش کی نہایت مؤثر شخصیات میں سے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے کچھ گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ اپنی پھوپھی کے پاس گھاٹی میں بھجوائے۔ ابوجہل کو معلوم ہوا تو وہ فوراً سوار ہو کر وہاں پہنچ گیا اور غلام کا راستہ روک کر کہنے لگا: میں تجھے ہاشمیوں کے پاس گیہوں لے جانے نہیں دوں گا اور سارے مکہ میں تجھے ذلیل کروں گا۔ یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ابوالبختری بن ہشام عین اسی وقت وہاں سے گزرا۔ یہ بھی اپنے قبیلے کا رئیس تھا۔ ابوجہل ابوالبختری سے کہنے لگا: یہ حکیم بن حزام کا غلام ''محمد'' (ﷺ) کے لیے گیہوں لے کر جا رہا ہے اور میں اسے روک رہا ہوں۔

> "جب ہاشمیوں کے ننھے منے بچے بھوک سے بلبلاتے اور ان کی آواز باہر دور دور تک سنائی دیتی تو سنگدل مشرکین قریش سن سن کر خوش ہوتے"

ابوالبختری کہنے لگا: ابوالحکم! حکیم بن حزام کی پھوپھی خدیجہ کا کچھ گیہوں اس کے پاس امانتاً رکھا ہوا تھا، وہ اس نے منگوایا ہوگا، جانے دو، اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابوجہل اڑ گیا اور کہنے لگا: نہیں، میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا۔

ابوالبختری نے پھر اس سے کہا: جانے بھی دو، ایک شخص اپنی فاقہ کش پھوپھی کی امانت واپس کرنا چاہتا ہے مگر تمھاری شقاوت اور سنگ دلی اس کی بھی اجازت نہیں دیتی۔ یہ سن کر ابوجہل کو غصہ آ گیا۔ دونوں میں تلخ کلامی ہوئی اور نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔

ابوالبختری نے ابوجہل کے اونٹ کی گردن پکڑ کر زور سے مروڑی اور جھٹکا دے کر اونٹ کو بٹھا دیا، پھر ابوجہل کو گردن سے پکڑ کر نیچے کی طرف کھینچا، ابوجہل اونٹ سے نیچے گرا تو ابوالبختری نے ادھر ادھر دیکھا، اسے اونٹ کی ایک ہڈی نظر آئی، اس نے ہڈی اٹھائی اور اس زور سے ابوجہل کے سر پر دے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ ابوالبختری نے اس بدبخت کو پھر

مکہ مکرمہ کے قریب واقع شعب ابی طالب کا ایک نقشہ

بھی نہ چھوڑا۔ اسے خوب ٹھوکریں اور ٹھڈے مارے اور بری طرح ذلیل کیا۔

ابوجہل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا جانے والا اناج روک سکا نہ اپنے آپ کو مار پیٹ سے اور ذلیل ہونے سے بچا سکا۔ زیادہ شرمندگی اسے اس بات پر تھی کہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ پہاڑی درّے سے یہ ساری کارروائی دیکھ رہے تھے۔[1]

① السيرة لابن هشام:354/1.

قارئین کرام! ذرا اس صابرہ شاکرہ خاتون کا تصور کیجیے جس کے سرتاج کو قتل کی علانیہ دھمکیاں مل رہی تھیں اور ان کی جان کو ہر وقت خطرہ تھا۔ حتی کہ صورت حال کی نزاکت اس درجے کو پہنچ چکی تھی کہ جب رات کو لوگ اپنے اپنے بستروں پر سونے کے لیے چلے جاتے تو ابوطالب آپ ﷺ کو کسی دوسرے کے بستر پر سلا دیتے تا کہ دشمن آپ کو نقصان نہ پہنچا سکے۔[1]

① السيرة لابن إسحاق:202/1.

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت 65 سال کے لگ بھگ ہو چکی تھی۔ بلاشبہ یہ ایک بڑی آزمائش تھی، مشکل دور تھا مگر انہوں نے اپنے گھرانے کا مکمل ساتھ دیا۔ اگر انہیں فاقہ کشی کا سامنا ہوا تو ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کے شانہ بشانہ تھیں۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جوارِ رحمت الٰہی میں

تین سال کے طویل عرصے کے بعد بالآخر یہ بائیکاٹ ختم ہو جاتا ہے مگر شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد جلد ہی سردار ابوطالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو جاتی ہے۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سردار ابوطالب کی رحلت کے تین دن بعد ہوئی۔ بعض نے اس سے مختلف بھی لکھا ہے۔ مگر یہ طے ہے کہ ان دونوں کی وفات یکے بعد دیگرے ہوئی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کی وفات رمضان المبارک 10 نبوی میں ہوئی۔ ان کو ''حجون'' کے مقام پر دفن

کیا گیا۔ خود اللہ کے رسول ﷺ قبر میں اترے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے سپرد خاک کیا۔[1] ان کے بھتیجے حکیم بن حزام بھی تدفین میں شریک تھے۔

① أنساب الأشراف:273/1، و2/35.

جس طرح گھر سے باہر سردار ابوطالب نے آپ ﷺ کا دفاع کیا اور وہ آپ ﷺ پر نہایت مشفق اور مہربان تھے اسی طرح گھر کے اندر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو نہایت آرام پہنچانے والی، بے حد محبت اور عزت و احترام کرنے والی خاتون تھیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات بعض روایات کے مطابق نماز کے فرض ہونے سے پہلے ہوگئی تھی۔

> سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سردار ابوطالب کی رحلت کے تین دن بعد ہوئی۔ ان دونوں کی وفات کے سال کو عام الحزن کا نام دیا گیا ہے

عام الحزن

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سردار ابوطالب کی وفات سے اللہ کے رسول ﷺ کو نہایت رنج ہوا۔ یہ دونوں ہر آڑے وقت میں آپ کے لیے پناہ دہندہ ثابت ہوتے تھے۔ ان دونوں کی وفات سے آپ کی پناہ کی یہ دونوں دیواریں منہدم ہوگئیں۔ ان دونوں کی جدائی نے آپ ﷺ کے قلب اطہر میں غم والم کے جذبات موجزن کر دیے۔ اب دشمنوں کے لیے راستہ صاف ہو گیا اور آپ ﷺ کی قوم کی طرف سے زیادتیوں کا ایک طومار بندھ گیا۔ وہ آپ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے لگے۔ سیرت نگاروں نے اس سال کا نام عام الحزن یعنی غم کا سال لکھا ہے۔[1]

① الطبقات لابن سعد:211/1.

ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس سالن یا کھانے کا ایک برتن لا رہی ہیں، جب وہ لے کر آئیں تو انہیں ان کے رب اور میری طرف سے سلام کہہ دیں اور انہیں جنت میں موتی کے ایک محل کی بشارت دیں جس میں نہ شور ہوگا اور نہ کوئی تکلیف ہوگی۔ [1]

[1] صحيح البخاري، حديث: 3820.

شور وشغب سے پاک مکان کی اس لیے خوشخبری سنائی گئی کہ انہوں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے گفتگو نہ کی تھی

امام ابن کثیر نے امام سہیلی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کو جنت میں (قصب) یعنی خول دار موتی کے محل کی بشارت اس لیے دی گئی کہ وہ ایمان لانے میں سب پر سبقت لے گئیں اور شور وشغب سے پاک مکان کی اس لیے خوشخبری سنائی گئی کہ انہوں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے گفتگو نہ کی تھی اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شور وغل اور ایذا رسانی سے پیش نہ آتی تھیں۔

امام بخاری نے مسدد اور یحییٰ کے واسطے سے اسماعیل سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے عبد اللہ بن ابی اوفی سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت کی خوشخبری سنائی تھی؟ تو انہوں نے کہا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت میں ایسے خول دار موتی کے محل کی بشارت سنائی جس میں شور وغل اور تھکن نہ

ہوگی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کسی کے بارے میں اس قدر غیرت اور رشک کا اظہار نہیں کیا جس قدر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کرتی تھی، حالانکہ وہ میری شادی سے پہلے فوت ہوچکی تھیں۔ میرے اس قدر رشک کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ ان کو بکثرت یاد فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو انہیں جنت میں خول دار موتی کے محل کی خوشخبری دینے کو بھی کہا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ 24 یا 25 سالہ رفاقت بلاشبہ آپ ﷺ کے لیے حق تعالیٰ کی طرف سے ایک گراں قدر نعمت تھی۔ ہر آڑے وقت میں انہوں نے آپ ﷺ کا ساتھ

"آپ ایک بوڑھی سرخ مسوڑوں والی عورت کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ اللہ نے آپ کو ان کے بدلے میں بہترین جوان عورت عطا فرمائی ہے۔"

دیا۔ جب بھی کوئی آپ ﷺ کے ساتھ سختی سے پیش آتا تو یہ تڑپ اٹھتیں۔ انہوں نے دعوت وتبلیغ کی سختیوں میں آپ ﷺ کی اپنے مال و جان سے غم گساری اور خیر خواہی کی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی بارہا اس کا اعتراف کیا اور ان کی خوب تعریف فرمائی حتی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مجھے اللہ کے رسول ﷺ سے ان کا حسن سلوک سنتے سنتے ایک دن غیرت آگئی۔ میں نے کہا: آپ ایک بوڑھی سرخ مسوڑوں والی عورت کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے بدلے میں ایک بہترین جوان عورت عطا فرمائی ہے۔[1] اللہ کے رسول ﷺ نے جو ارشاد فرمایا اس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے: ''نہیں عائشہ! ایسا نہیں ہے، مجھے خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے بہتر عورت نہیں ملی۔ جب لوگوں نے میری نبوت کا انکار کیا تو اس نے صدق دل سے اقرار کیا، جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو اس نے دل کھول کر میری تصدیق کی، جب لوگوں نے میرا مالی تعاون کرنے سے ہاتھ کھینچا تو اس نے مجھ پر اپنا مال ودولت نچھاور کر دیا، دوسری بیویوں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد کی نعمت سے محروم رکھا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اولاد کی نعمت سے نوازا۔''[2]

"نہیں عائشہ! ایسا نہیں ہے، مجھے خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے بہتر عورت نہیں ملی۔ جب لوگوں نے میری نبوت کا انکار کیا تو اس نے صدق دل سے اقرار کیا"

[1] صحيح البخاري، حديث: 3821. [2] مسند أحمد: 118/6.

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا تبصرہ سن کر خفگی اور ناراضی کا اظہار فرمایا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اللہ کی

قسم! آئندہ میں سیدہ خدیجہ ؓ کا ذکر بھلائی کے ساتھ ہی کروں گی۔ [1]

[1] المعجم الكبير للطبراني: 14/23.

اللہ کے رسول ﷺ کو سیدہ خدیجہ ؓ کے ساتھ جو محبت تھی، اس کا اندازہ آپ ذیل کی حدیث سے لگائیں کہ آپ ﷺ کو سیدہ خدیجہ ؓ کا انداز، ان کی ہر ادا اور طریقہ کتنا محبوب اور پسندیدہ تھا۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ سیدہ خدیجہ ؓ کی بہن سیدہ ہالہ بنت خویلد ؓ نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ہالہ ؓ آپ ﷺ کی سالی ہی نہیں سمدھن بھی تھیں کیونکہ سیدہ زینب ؓ کی ساس تھیں۔ جب انہوں نے اجازت مانگی تو انداز اپنی بہن سیدہ خدیجہ ؓ والا تھا۔ آپ ﷺ کو سیدہ خدیجہ ؓ کا اجازت مانگنا یاد آ گیا۔ آپ ﷺ نے نہایت محبت سے فرمایا: 'اَللّٰھُمَّ ھَالَةَ!' ''میرے اللہ! یہ تو ہالہ ہے۔'' اور پھر ان کو اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ [1]

[1] صحيح البخاري، حديث: 3821.

اللہ کے رسول ﷺ سیدہ خدیجہ ؓ کی وجہ سے ان کی سہیلیوں کا بھی احترام کرتے تھے۔ وفا اسی کا نام ہے، اسی کو بڑا پن کہتے ہیں کہ وفات کے بعد سیدہ ؓ کی سہیلیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا۔

اللہ کے رسول ﷺ جب بکری ذبح کرتے تو سیدہ خدیجہ ؓ کی سہیلیوں کے گھر گوشت روانہ کرتے۔ اور فرماتے: ''یہ خدیجہ کی سہیلیاں تھیں۔''

''اللہ کے رسول ﷺ جب بکری ذبح کرتے تو سیدہ خدیجہ ؓ کی سہیلیوں کے گھر گوشت روانہ کرتے۔ اور فرماتے: ''یہ خدیجہ کی سہیلیاں تھیں''

غزوۂ بدر کے قیدیوں میں آپ ﷺ کا داماد ابوالعاص بھی تھا۔ آپ کی بیٹی سیدہ زینب ؓ نے مکہ سے اپنے خاوند کو چھڑوانے کے لیے فدیے میں وہ ہار بھیجا جو انہیں خدیجہ ؓ نے رخصتی کے موقع پر دیا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے دیکھا تو اپنی جاں نثار بیوی سیدہ خدیجہ ؓ یاد آ گئیں، آپ کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں اور آپ ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا: اگر مناسب سمجھو تو زینب کا ہار واپس کر دو اور اس کا قیدی بھی چھوڑ دو۔ ابوالعاص سیدہ خدیجہ ؓ کا داماد ہونے کے ساتھ ساتھ بھانجا بھی تھا، چنانچہ تمام صحابہ ؓ نے بخوشی اس قیدی کو چھوڑنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ [1]

[1] السيرة لابن هشام: 653/2.

سیدہ خدیجہ ؓ سے شادی کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال تھی اور تقریباً اتنا ہی عرصہ سیدہ نے آپ ﷺ کی رفاقت میں گزارا۔ اس ساری مدت میں آپ ﷺ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ [1] یہ ایک ایسا شرف تھا جو آپ ﷺ کی کسی دوسری اہلیہ کے حصے میں نہیں آیا۔ سیدہ خدیجہ ؓ نے بھی اس طویل عرصے میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جو آپ کو ناپسند ہو اور آپ کے مزاج گرامی کے خلاف ہو۔

[1] صحيح مسلم، حديث: 2436.

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کسی موقع پر اللہ کے رسول ﷺ سے یہ کہہ دیا کہ گویا دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی عورت ہی نہ تھی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ تو ان ان خوبیوں کی مالکہ تھی اور اس سے میری اولاد بھی تھی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: مردوں میں سے بہت سے لوگ درجۂ کمال کو پہنچے مگر خواتین میں باکمال صرف تین ہیں: مریم صدیقہ، آسیہ زوجۂ فرعون، خدیجہ بنت خویلد۔ اور عائشہ کی دوسری عورتوں پر برتری اور فضیلت ایسی ہے جیسی ثرید کی تمام کھانوں پر۔ [1]

[1] صحيح مسلم، حديث: 2431.

با کمال خواتین کی ملتی جلتی خوبیاں

سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہا زوجۂ فرعون، سیدہ مریم رضی اللہ عنہا اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا با کمال خواتین کی خوبیوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ ان سب نے ایک ایک نبی کی کفالت کی۔ اور کفالت کو بطریق احسن انجام دیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فرعون کی بیوی سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اپنے محل میں پرورش کی۔ ان کے ساتھ نہایت عمدہ اور نیک سلوک کیا اور ان کی رسالت کی تصدیق کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ سیدہ مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے بچے کی نہ صرف کفالت کی بلکہ کفالت کا حق ادا کیا۔ ان کی اعلیٰ تربیت کی اور پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نبوت کے اعلیٰ مقام پر سرفراز ہوئے تو سیدہ مریم رضی اللہ عنہا نے ان کی نبوت کو تسلیم کیا اور اس کی تصدیق کی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ ﷺ سے خود شادی کی خواہش کا اظہار کیا اور جب شادی ہوگئی تو پھر اپنا تمام مال و متاع آپ ﷺ پر قربان کر دیا اور جب غار حرا میں آپ ﷺ کے سر پر تاج نبوت رکھا گیا اور آپ گھر تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ کی تصدیق کرنے والی اور آپ کی دلجوئی کرنے والی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔

اس وضاحت سے ان تینوں عظیم خواتین کے بارے میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں ان کی کیا اہمیت ہے۔ اوپر بیان کیے گئے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقام اور مرتبہ نہایت اعلیٰ اور بلند ہے۔ اللہ رب العزت ان کے مقام اور درجات کو مزید بلند فرمائے۔ ان کی اسلام کے لیے اور رسول اللہ ﷺ کے لیے کی جانے والی قربانیوں کو قبول فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کا تذکرہ

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے بارے میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ان کے بطن اطہر سے دو بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ دونوں بیٹے سیدنا قاسم اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہما بچپن ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔

چاروں بیٹیاں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن نہ صرف بڑی ہوئیں بلکہ ان چاروں کی شادیاں ہوئیں اور ان سب کے ہاں اولاد بھی ہوئی۔

اب ہم مختصراً سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کا تذکرہ کرتے ہیں۔
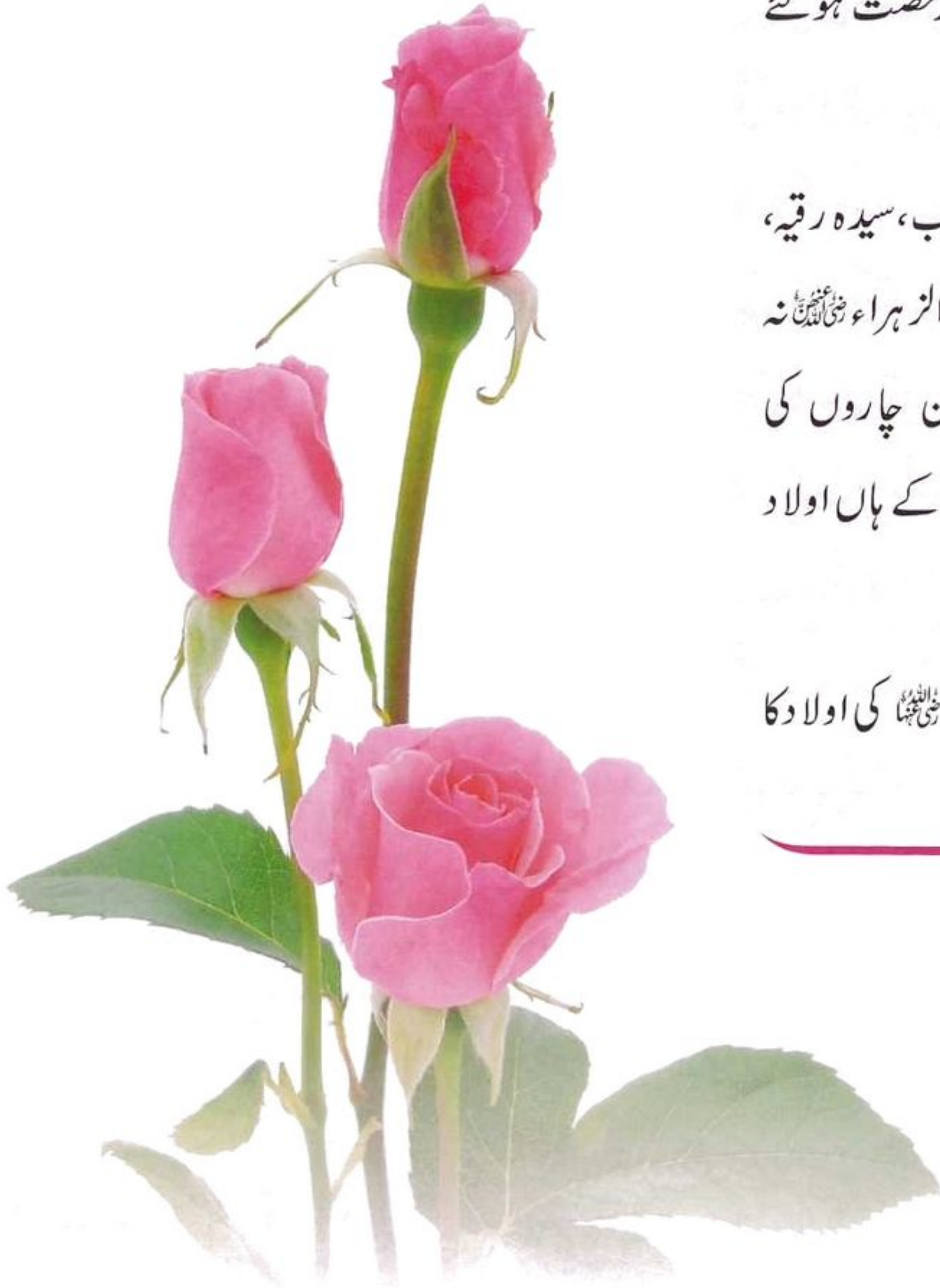
سیدہ زینب ؓ بنت محمد ﷺ

سیدہ زینب ؓ اللہ کے رسول ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ نبوت ملنے سے دس سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ یہ خالص ہاشمی اور قریشی گھرانہ تھا، یہاں پر اخلاق کی اعلیٰ مثالیں تھیں۔ جس بچی کی والدہ سیدہ خدیجہ ؓ ہوں اور والد کائنات کی سب سے اعلیٰ اور اشرف شخصیت ہو، ان سے زیادہ اعلیٰ نسب کس کا ہو سکتا ہے! اس گھرانے کا ہر فرد ہی نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ اخلاق کا حامل تھا۔ سیدہ خدیجہ ؓ کی گود میں پلنے والی سیدہ زینب ؓ ''نجیب الطرفین'' ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت لاڈلی بھی تھیں۔ بڑے بھائی قاسم ؓ کی وفات کے بعد یہ والدین کی آنکھوں کا تارا تھیں۔ والدہ نے نہایت محبت اور شفقت سے بیٹی کی پرورش کی۔ دس سال کی عمر ہوئی تو ان کی خالہ سیدہ ہالہ بنت خویلد ؓ نے اپنی بہن سیدہ خدیجہ ؓ سے اپنے بیٹے ابوالعاص کے لیے رشتہ طلب کیا۔ اس زمانے میں آٹھ، دس سال کی لڑکی کا رشتہ طلب کرنا یا اس عمر کی بچی کی رخصتی کرنا عام سی بات تھی۔ ابو العاص بن ربیع سیدہ خدیجہ ؓ کے سگے بھانجے تھے اور نہایت شریف النفس تھے۔ خالہ کے گھر آنا جانا تو رہتا ہی تھا۔ سیدہ

> سیدہ خدیجہ ؓ کی گود میں پلنے والی سیدہ زینب ؓ ''نجیب الطرفین'' ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت لاڈلی بھی تھیں

زینب ؓ محض 9 سال کی عمر میں گھریلو امور کی ماہر اور اعلیٰ اخلاق کی پیکر بن چکی تھیں۔ ان صفات حمیدہ کے باعث قریش کے گھرانوں کی طرف سے ان کے لیے رشتے آنے شروع ہو گئے۔

ابوالعاص بن ربیع سے نکاح

سب سے پہلے ان کے لیے سردار ابوالعاص بن ربیع کا رشتہ آیا جو ان کی سگی خالہ سیدہ ہالہ بنت خویلد ؓ کے صاحبزادے تھے اور قریش کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا نسب نامہ آپ ﷺ کے پردادا قُصَی پر جا کر نبی کریم ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔

والد کی طرف سے سلسلۂ نسب اس طرح ہے: ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزی بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یوں ہے: ابوالعاص بن ہالہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی۔

ابوالعاص مکہ میں اپنی امانت، دیانت اور شرافت کی وجہ سے بڑے مشہور تھے۔ ① مؤرخین کے مطابق ان کو مکہ میں بہت امانت دار شخص کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔

① نساء حول الرسول، ص: 130 .

> ابوالعاص اپنی امانت، دیانت اور شرافت کی وجہ سے بڑے مشہور تھے۔ انہیں مکہ میں بہت امانت دار شخص کے طور پر دیکھا جاتا تھا

سیدہ خدیجہ ؓ بھی اپنے بھانجے کے اعلیٰ اخلاق سے خوب واقف تھیں۔ لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ کے مشورے سے اس رشتے کو قبول کرنے میں انہیں کوئی تأمل نہیں تھا۔ ابوالعاص قریشی تھے اور تجارت سے وابستہ تھے۔ مالی حالت بھی خاصی بہتر تھی، چنانچہ جلد ہی ان کا نکاح ہو گیا اور ساتھ ہی سیدہ زینب کی رخصتی

بھی کر دی گئی۔ سیرت نگاروں کے مطابق اس دور کی روایت اور رواج کے لحاظ سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی کو دوسری اشیاء کے علاوہ عقیق کا بیش قیمت یمنی ہار بھی دیا جو ماں کی ممتا کی ایک انمول نشانی تھی۔ غالباً یہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذاتی ہار تھا جو رخصتی کے وقت انہوں نے اپنے گلے سے اتار کر بیٹی کے گلے میں ڈال دیا تھا۔ بیٹی نے بھی ساری زندگی اس ہار کی خوب حفاظت کی۔[1] سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے خاوند ابوالعاص کے گھر میں نہایت خوش وخرم زندگی گزار رہی تھیں۔ میاں بیوی میں مثالی محبت اور پیار تھا۔ ایک مرتبہ سردار ابوالعاص تجارت کے لیے مکہ سے باہر گئے ہوئے تھے، سفر سے واپس آئے تو ان کو معلوم ہوا کہ مکہ میں انقلاب آچکا ہے۔ ان کے سسر نے نبوت کا اعلان کر دیا ہے۔[2]

"سفر سے واپس آئے تو ان کو معلوم ہوا کہ مکہ میں انقلاب آچکا ہے۔ ان کے سسر نے نبوت کا اعلان کر دیا ہے"

[1] أسد الغابة: 23/5. [2] نساء حول الرسول، ص: 130.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنی والدہ اور بہنوں کے ساتھ ہی نعمت اسلام سے سرفراز ہوگئی تھیں۔

امام زرقانی لکھتے ہیں: پہلے پہل ایمان لانے والوں کی فہرست میں بیٹیوں کا نام نہیں لیا جاتا، حالانکہ وہ بعثت سے پہلے ہی اپنے فخر انسانیت والدمکرم کے اسوۂ مبارک سے بے حد متاثر تھیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے طبرانی کی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

'فَلَمَّا أَكْرَمَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ بِالنُّبُوَّةِ أَسْلَمَتْ خَدِيجَةُ وَبَنَاتُهُ'

''جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خلعت نبوت سے سرفراز کیا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بیٹیاں فوراً مسلمان ہوگئیں۔''[1]

[1] المعجم الكبير: 22/427.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کو بتایا کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو ابوالعاص نے کوئی جواب نہ دیا اور چپ چاپ گھر سے باہر چلے گئے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بڑی امید تھی کہ ان کا خاوند نہایت سمجھدار انسان ہے، اس لیے وہ اسلام کی نعمت سے سرفراز ہو جائے گا۔ انہوں نے اپنے خاوند کو قائل کرنے کی کوشش بھی کی مگر تعصب اور غلط خاندانی روایات آڑے آگئیں اور اس نے یہ کہہ دیا: زینب! مجھے آپ کے والد پر کوئی شک وشبہ ہے نہ میں انہیں جھٹلاتا ہوں مگر میں ڈرتا ہوں کہ میری قوم کے لوگ طعنہ دیں گے کہ میں نے بیوی کی خاطر اپنے آباء واجداد کے دین کو چھوڑ دیا۔[1] مگر چونکہ ان کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے بھلائی لکھی ہوئی تھی اس لیے آگے چل کر وہ نعمت اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔

[1] نساء حول الرسول، ص: 130.

میاں بیوی میں مثالی محبت

سیدہ زینب اور ابوالعاص کے درمیان مثالی ہم آہنگی اور پیار تھا۔ اس کا ثبوت اس وقت سامنے آیا جب قریش نے ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ محمد (ﷺ) کی بیٹی کو طلاق دے دیں۔

اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ جب قریش نے دیکھا کہ اسلام مسلسل پھیلتا چلا جا رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ مسلسل دعوت کا کام کر رہے ہیں، ہماری تمام تر عداوتوں اور زیادتیوں کے باوجود وہ دن رات تبلیغ میں مصروف ہیں تو انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ ان کو گھریلو مسائل میں الجھایا جائے۔ بیٹیاں کسے پیاری نہیں ہوتیں۔ آپ ﷺ کی بیٹیوں میں سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اور رخصتی ہو چکی تھی

"اللہ کی قسم! میں اپنی وفادار بیوی کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا اور نہ میں قریش کی کسی عورت کو اپنی بیوی کے بدلے میں پسند کرتا ہوں۔"

جبکہ سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا ابولہب کے دو بیٹوں کے ساتھ نکاح ہو چکا تھا، تاہم ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ قریش نے ان سب کو لالچ دیا کہ اگر وہ محمد ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق دے دیں تو قریش کی جس لڑکی کے ساتھ وہ نکاح کرنا چاہیں گے، قریش کرا دیں گے۔

چنانچہ ابولہب کے بیٹوں نے لالچ میں آ کر یہ کام کر دیا۔ مگر جب یہی پیش کش سردار ابوالعاص کو کی گئی تو ان کا جواب بڑا مختلف تھا۔ ان کا کہنا تھا: اللہ کی قسم! میں اپنی وفادار بیوی کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا اور نہ میں قریش کی کسی عورت کو اپنی بیوی کے بدلے میں پسند کرتا ہوں۔ [1]

[1] السيرة لابن هشام: 2/652.

"اللہ کی قسم! رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک آدمی کے پاس اکٹھی نہیں ہو سکتیں"

اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے اس داماد کا یہ جواب اور انداز بہت پسند آیا، آپ ﷺ نے اسے یاد رکھا اور ایک موقع پر اس کا اظہار بھی فرمایا۔ ہوا یوں کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی کا ارادہ کیا اور ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا پروگرام بنایا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد گرامی سے جب شکایت کی تو آپ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

میں نے ابوالعاص بن ربیع سے اپنی بیٹی کی شادی کی۔ اس نے ہمارے ساتھ بہت اچھا اور قابل تعریف برتاؤ کیا۔ وہ اپنے قول کا سچا اور وعدے کا پکا انسان ہے۔ یقیناً فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے میں اس کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک آدمی کے پاس اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ [1] سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان سنا تو شادی کا خیال ذہن سے نکال دیا۔

[1] سنن ابن ماجه، حديث: 1999.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک بیٹی امامہ پیدا ہوئی جو رسول کریم ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نواسی تھی۔ گھر میں پہلی نواسی جتنی پیاری اور عزیز ہوتی ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ صحیح احادیث کے مطابق امامہ رضی اللہ عنہا سے اللہ کے رسول ﷺ نہایت درجہ پیار کرتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ نے امامہ رضی اللہ عنہا کو گود میں لے کر نماز بھی پڑھائی تھی۔

صحیح مسلم میں اس واقعے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ جماعت کرا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا کو اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔ رکوع وسجود میں جاتے وقت اسے فرش پر بٹھا دیتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اسے دوبارہ اٹھا لیتے تھے۔ [1]

[1] صحيح مسلم، حديث: 543.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں علی نام کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا۔ سیرت نگاروں نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ سن رشد کو پہنچے۔ فتح مکہ کے موقع پر وہ اپنے نانا محترم ﷺ کی سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی شہادت یرموک کے میدان میں ہوئی۔ [1]

[1] الإصابة: 4/469.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی اپنے والد ﷺ کے لیے بے تابی

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی زندگی کے حوالے سے ''معجم کبیر طبرانی'' میں یہ واقعہ ملتا ہے۔ حارث بن حارث غامدی بیان کرتے ہیں: میں ایک دفعہ اپنے باپ کے ساتھ مکہ مکرمہ گیا۔ دیکھا کہ لوگ اس

پیاری بیٹی!
دوپٹہ اپنے سینے پر ڈال لو اور ان حالات میں اپنے والد کے بارے میں ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہ کرو

شخص کے گرد جمع ہیں جسے وہ ''صابی'' یعنی نیا دین اختیار کرنے والا کہتے تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ ﷺ لوگوں کو توحید اور ایمان کی دعوت دے رہے تھے لیکن لوگ آپ ﷺ کی بات کا انکار کر رہے تھے۔ وہ آپ ﷺ کو ایذا دینے کے درپے تھے۔ یہ سلسلہ دوپہر تک جاری رہا، پھر لوگ منتشر ہونے لگے۔ اسی وقت ایک نوعمر خاتون آئی۔ ہنگامی صورت حال اور جلدی کی وجہ سے اس نے خود کو پوری طرح ڈھانپا بھی نہیں ہوا تھا۔ پانی کا بڑا پیالہ اور ایک رومال اس کے ہاتھ میں تھا۔ یہ چیزیں اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ ﷺ نے پانی نوش فرمایا اور رومال سے ہاتھ منہ صاف کیا۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ارشاد فرمایا:

'يَا بُنَيَّةُ! خَمِّرِي عَلَيْكِ نَحْرَكِ وَلَا تَخَافِي عَلَى أَبِيكِ'

''پیاری بیٹی! دوپٹہ اپنے سینے پر ڈال لو اور ان حالات میں اپنے والد کے بارے میں ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہ کرو۔''

ہم نے پوچھا: یہ خاتون کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ رحمت عالم ﷺ کی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔[1]

[1] المعجم الكبير للطبراني:3/268.

محترم قارئین! مکہ مکرمہ کے ماحول میں واپس چلتے ہیں جہاں مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر دی گئی اور وہ پہلے حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت پر مجبور ہو گئے، آخر کار وہ دن بھی آتا ہے جب اللہ

عریش رسول اللہ ﷺ
مدینہ منورہ کا راستہ
مسلمانوں کا لشکر
پانی کا کنواں
بدر کا میدان
مشرکین کا لشکر
مکہ مکرمہ کا راستہ

کے رسول ﷺ اپنے یار غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ جاتے ہیں۔

اس وقت تک سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے والد گرامی کی ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ میں اکیلی تھیں۔ والدہ محترمہ ویسے ہی اللہ کو پیاری ہو چکی تھیں، بہنیں بھی پاس نہ تھیں، البتہ علی اور چھوٹی سی امامہ رضی اللہ عنہا دل بہلانے کے لیے موجود تھیں۔ خاوند بلاشبہ بہت محبت کرنے والا تھا مگر ابھی تک اسلام کی دولت سے محروم تھا۔ ان حالات میں جبکہ مکہ مکرمہ میں ان کی دلجوئی کرنے والا کوئی نہ تھا ان کی خواہش تھی کہ اپنے والد کے پاس چلی جائیں، وہاں اپنوں میں دل لگا رہے گا۔ غزوۂ بدر رمضان 2 ہجری میں ہوا۔ قریش کو جنگ کے لیے بہانہ درکار تھا، جیسے ہی ابوسفیان کا پیغام ملا کہ قریش کا مال تجارت خطرے میں ہے، تو ابوجہل نے آناً فاناً ایک ہزار سے زائد افراد کا لشکر تیار کیا اور مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ اس لشکر میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا خاوند ابوالعاص بھی تھا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی کیفیت کا اندازہ کیا

جا سکتا ہے کہ ایک طرف کفر اور اسلام کی جنگ ہے دوسری طرف محبت کرنے والا خاوند ہے۔ بدر کا نتیجہ قریش کی توقع کے بالکل برعکس نکلا۔ اللہ رب العزت نے اہل اسلام کو فتح مبین سے ہمکنار کیا۔ قریش کے ستّر بڑے بڑے سردار واصل جہنم ہو گئے اور اتنے ہی جنگی قیدی بنا لیے گئے۔ ان گرفتار شدگان میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا خاوند ابو العاص بن ربیع بھی شامل تھا۔ گرفتار کرنے والے سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ تھے۔

قیدیوں کو مشکیں باندھے ہوئے مدینہ منورہ لایا گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا:

'اِسۡتَوۡصُوا بِالۡأَسۡرٰی خَیۡرًا'

''قیدیوں کے ساتھ اچھا اور عمدہ سلوک کیا جائے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قیدیوں کے آرام و راحت کا پورا خیال رکھا۔ وہ خود کھجور کھا کر گزارہ کر لیتے مگر قیدیوں کو روٹی پیش کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں کھجور کوئی زیادہ قیمتی نہ تھی، یہاں پر کھجوروں کے بے شمار درخت تھے اور کھجور وافر مقدار میں ملتی تھی۔ تاہم گندم اور جو کی اجناس بہت قیمتی ہوتی تھیں کیونکہ یہ دونوں اجناس مدینہ منورہ میں بہت کم پیدا ہوتی تھیں یا پھر باہر سے لائی جاتیں لیکن یہاں ایثار و قربانی کا ایسا عدیم المثال مظاہرہ کیا گیا اور فرمانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح توقیر کی گئی کہ خود تو دوسری چیزوں سے گزارا کر لیتے مگر قیدیوں کو پورے اہتمام سے روٹی کھلائی جاتی۔ [1] ابو العاص نے ان مکارمِ اخلاق کا بچشم خود مشاہدہ کیا تو ان کے دل میں اپنے سسر کے دین کے لیے پہلے سے موجود احترام میں اور اضافہ ہو گیا۔ یہ محض خاندانی تعصب تھا جس نے انہیں بدر میں آنے پر مجبور کر دیا تھا۔

[1] المعجم الکبیر للطبراني: 393/22.

بدر کے قیدیوں کا فدیہ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہار

کائنات کے لوگوں پر اللہ رب العزت کے بے شمار احسانات میں سے سب سے بڑا احسان بعثت نبوی ہے۔ وہ بلاشبہ پوری کائنات کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے۔ قیدی آئے تو اس دور کی عام روایت کے مطابق ان کو قتل کر دینا چاہیے تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی یہی چاہتے تھے مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امید پر کہ یہ لوگ بعد میں مسلمان ہو جائیں گے، قیدیوں سے فدیہ لینا قبول کر لیا تاکہ اسلامی ریاست کے مالی حالات کچھ بہتر ہو جائیں۔ فدیے کی مقدار ایک ہزار درہم سے لے کر تین ہزار درہم تک تھی۔ مکہ میں جب فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کرنے کی خبر پہنچی تو ہلچل مچ گئی۔ جن جن کے قریبی عزیز اور رشتہ دار قید میں تھے انہوں نے فدیے کی رقم جمع کر کے ادا کی اور اپنے قیدیوں کو چھڑوا لیا۔

> "اگر مناسب سمجھو تو زینب کا قیدی چھوڑ دو اور اس کا ہار اسے واپس کر دو"

ابو العاص اگرچہ مالدار تھے مگر اس موقع پر ان کے پاس فدیے کی رقم موجود نہ تھی۔ انہوں نے اپنی اہلیہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو فدیہ بھیجنے کے لیے پیغام بھیجا۔ پیکرِ وفا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کو رہا کرانے کے

رسول اللہ ﷺ نے ہار دیکھا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفائیں یاد آ گئیں

لیے کچھ مال اکٹھا کیا۔ مال پورا نہ ہوا تو انہوں نے اپنا وہ ہار گلے سے اتارا جو ان کی والدہ محترمہ نے شادی کے وقت پہنایا تھا۔ یہ ہار دراصل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا جو ماں نے ممتا کے جذبے سے اپنی لاڈلی بیٹی کو تحفے میں دے دیا تھا۔ مکہ مکرمہ سے فدیہ لے کر لوگ مدینہ منورہ پہنچے، ان میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا قاصد بھی تھا۔ آپ ﷺ نے اس ہار کو دیکھا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفائیں یاد آ گئیں۔ زمانۂ رفاقت کی یادیں ذہن مبارک میں جھلملانے لگیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کے فدیے کے لیے مال واسباب بھیجا تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند ابوالعاص کے فدیے میں وہی ہار بھیجا جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رخصتی کے وقت انہیں دیا تھا۔ آپ ﷺ نے جب یہ ہار دیکھا تو آپ ﷺ پر رقت طاری ہوگئی۔ ارشاد فرمایا:

'إِنْ رَأَيْتُمْ أَنْ تُطْلِقُوا لَهَا أَسِيرَهَا وَتَرُدُّوا عَلَيْهَا الَّذِي لَهَا'

''اگر مناسب سمجھو تو زینب کا قیدی چھوڑ دو اور اس کا ہار اسے واپس کر دو۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو آپ ﷺ کی خوشی اور رضامندی کے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے، چنانچہ بغیر کسی تردد کے ان سب نے آپ ﷺ کی یہ بات خوشی سے قبول کر لی۔

قیدی کو رہا کرنے کا حکم ہوا تو آپ ﷺ نے ابوالعاص سے وعدہ لے لیا کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچ کر زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔ [1]

[1] سنن أبي داود، حديث:2692.

ابوالعاص مکہ پہنچ گئے۔ یہ شخص وعدے کا پکا نکلا، جاتے ہی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے کہا: تم مدینہ جانے کی تیاری کرلو۔ ادھر اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی کو ایک ایسے مشن پر روانہ فرمایا جو خطرات اور خدشات سے بھرپور تھا، اس لیے کہ اگرچہ ابوالعاص تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بھیجنے پر آمادہ تھے مگر دیگر کفار مکہ کی جانب سے سخت مزاحمت متوقع تھی۔ آپ ﷺ نے ان دونوں ساتھیوں سے فرمایا: تم دونوں مکہ کے قریب بطن يأجج کے مقام پر زینب کا انتظار کرنا۔ زینب جب وہاں آ جائیں گی تو انہیں ساتھ لے آنا۔ [1]

[1] سنن أبي داود، حديث:2692.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا المناک سفرِ ہجرت

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے آہستہ آہستہ مدینہ جانے کی تیاری شروع کر دی۔ اس موقع پر ابوسفیان کی بیوی ہند نے انہیں پیش کش کی کہ اگر زادراہ کے لیے کوئی ضرورت ہو تو وہ اسے پورا کرنے کے لیے تیار ہے، مگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اسے ٹال دیا۔ [1]

[1] السيرة لابن هشام:654/2.

بدر کی لڑائی کو ایک ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا قریش کو یہ صدمہ کسی صورت بھولنے والا نہ تھا۔ ان کے گھر گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ ان کے شعراء لوگوں کی غیرت اور جاہلی عصبیت کو اپنے کلام کے ذریعے سے ابھار رہے تھے اور مسلمانوں کے خلاف فضا گرم کی جارہی تھی۔ ان حالات میں یہ ممکن ہی نہ تھا کہ مدینہ منورہ کا کوئی مسلمان مکہ مکرمہ آ جائے، چنانچہ آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے انصاری ساتھی کے ساتھ مکہ سے قریباً تیرہ کلومیٹر کے فاصلے پر بطن يأجج میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتظار کرنے لگے۔

ابوالعاص نے اپنے بھائی کنانہ بن ربیع سے کہا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بطن يأجج پہنچا

آئیں۔اس زمانے کا دستور تھا کہ شرفاء کی خواتین ہودج میں سفر کرتی تھیں۔معزز خواتین کا یہ امتیازی نشان ہوا کرتا تھا۔کنانہ نے سیدہ زینب ؓ کو نہایت احترام کے ساتھ ہودج میں سوار کیا۔ بیٹی امامہ ؓ بھی ہمراہ تھیں۔دوسرے اونٹ پر خود سوار ہوا۔تیر اور ترکش ساتھ لیا اور بطن یأجج کی طرف چل دیا۔دوپہر کا وقت تھا، مکہ پر ہُو کا عالم طاری تھا کیونکہ دوپہر کے وقت گرمی کی وجہ سے عرب کے لوگ بہت کم سفر کیا کرتے تھے۔خیال یہی ہوگا کہ لوگوں کو سیدہ زینب ؓ کے مدینہ جانے کا علم نہ ہو سکے۔

سیدہ زینب ؓ پر ہبّار بن اسود کا حملہ

دو اونٹوں کا مختصر سا قافلہ مکہ مکرمہ سے باہر ذی طوی میں پہنچا کہ قریش کے کچھ بدقماش ان کے پیچھے آگئے۔ ہبار بن اسود ان کا لیڈر تھا۔ان لوگوں نے سیدہ زینب ؓ کے اونٹ کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ہبار نے اونٹ کو نیزہ مارا، اونٹ تڑپا تو سیدہ زینب ؓ زمین پر گر پڑیں۔سیدہ حاملہ تھیں۔ گرنے کی وجہ سے حمل ساقط ہو گیا۔

> ”ہبار نے اونٹ کو نیزہ مارا تو سیدہ زینب ؓ زمین پر گر پڑیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا“

سیدہ زینب ؓ کے دیور کنانہ نے جب یہ زیادتی دیکھی تو اس نے ترکش سنبھال کر نشانہ باندھ لیا۔ان کو للکارا: خبردار! اگر کسی نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ ہبار اور اس کے ساتھی وہیں رک گئے۔معاملہ آگے بڑھنے سے پہلے پہلے ابوسفیان بھی وہاں پہنچ گئے۔ابوسفیان بہت جہاندیدہ انسان تھے۔ انہوں نے کنانہ کو اشارہ کیا کہ تیر اندازی کرنے کی ضرورت نہیں، رک جاؤ۔کنانہ نے سردار کا اشارہ دیکھا تو رک گیا۔ابوسفیان نے کنانہ سے کہا کہ دیکھو ہمیں محمد (ﷺ) کی بیٹی سے کچھ لینا دینا نہیں، نہ ہم زینب کو اس کے والد سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔مگر ذرا دیکھو تو سہی! تمہاری

یہ حرکت ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے کہ تم دن دہاڑے زینب کو لے کر جا رہے ہو۔ابھی چند ہفتے قبل اس کے والد نے ہمارا جو حشر کیا ہے تم اس سے بخوبی واقف ہو۔اس حالت میں تم اسے مکہ سے لے کر جاتے ہو تو لوگ یہی کہیں گے کہ قریش اتنے بزدل اور مرعوب ہو چکے ہیں کہ ان کے سامنے کھلم کھلا عورتیں روانہ کی جاتی ہیں اور وہ دم نہیں مار سکتے۔اس میں ہم سب کی بدنامی ہے۔میرا تمہیں مشورہ ہے کہ زینب کو ابھی واپس گھر لے جاؤ۔چند روز کے بعد رات کی تاریکی میں اس کو لے جانا۔کوئی تعرض نہیں کرے گا۔

کنانہ بھی سمجھدار آدمی تھا۔اس نے موقع کی نزاکت کو سمجھا اور ابوسفیان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے سیدہ زینب ؓ کو واپس گھر لے گیا۔[1] سیدہ زینب ؓ کے ساتھ جو بُرا سلوک ہوا اس پر ہند نے سخت ردعمل ظاہر کیا۔

[1] السیرة لابن هشام:2/653-655.

یہ درست ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی اس وقت سب سے بڑی دشمن تھی، مگر وہ ایک باا ثر خاتون تھی۔وہ ابوسفیان کی بیوی اور عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی تھی۔اس نے ہبار اور اس کے ساتھیوں کو بُرا بھلا کہا۔انہیں بزدلی کا طعنہ دیا اور عار دلاتے ہوئے کہا: لڑائی کے دوران تو تم بھیگی بلی بن جاتے ہو اور اگر کوئی عورت اپنے باپ سے ملنے مدینہ منورہ جاتی ہے تو بڑے بہادر بن جاتے ہو، پھر اس نے یہ شعر پڑھا:

أَفِي السِّلْمِ أَعْيَارٌ جَفَاءً وَغِلْظَةً
وَفِي الْحَرْبِ أَشْبَاهُ النِّسَاءِ الْعَوَارِكِ

”امن میں تم لوگ وحشی گدھوں کی طرح جفا کار اور سخت ہو جاتے ہو اور لڑائی حیض والی عورتوں کی طرح بزدل بن جاتے ہو؟“[1]

[1] السیرة لابن هشام:2/656.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا دوبارہ اپنے گھر آگئیں۔ سفر کی تیاری تو پہلے ہی سے مکمل تھی۔ چند دن گزرے تو مکہ مکرمہ میں اس واقعے کے حوالے سے امن ہوگیا۔ لوگوں کی زبانیں بند ہوگئیں۔ کنانہ نے ایک مرتبہ پھر مناسب موقع دیکھ کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ہودج میں بٹھایا مگر اب کے بار دن کے وقت نہیں بلکہ رات کے وقت رازداری سے وہ مکہ مکرمہ سے نکلا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کے انصاری ساتھی، جو بطن یأجج ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے، کے حوالے کر کے واپس آگیا۔ وہ پروگرام کے مطابق سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر مدینہ طیبہ روانہ ہوگئے۔ اس طرح سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بڑے پُرخطر اور المناک سفر کے بعد ہجرت کر کے اپنے والد گرامی کے پاس پہنچ گئیں۔ آپ ﷺ نے نہایت مسرت سے اپنی پیاری بیٹی کا استقبال کیا۔[1]

[1] السيرة لابن هشام:2/655.

مدینہ طیبہ میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی دلچسپی کے کئی سامان موجود تھے۔ ان کے والد تھے، ان کی بہنیں اور بہنوں کے بچے تھے، سب سے بڑھ کر ان کی اپنی بیٹی امامہ اور بیٹا علی رضی اللہ عنہما تھے۔ سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا اپنے نانا کو خوب پیاری تھیں۔ ان کے بارے میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ ان کو آپ ﷺ نے گود میں لے کر نماز پڑھائی تھی۔ علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے کہ ان کی وفات کب ہوئی۔ تاہم سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا نے تو اپنے نانا محترم سے خوب محبت اور پیار حاصل کیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ مکہ مکرمہ میں جو سلوک ہوا اس سے اللہ کے رسول ﷺ کو نہایت رنج ہوا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اگر ہبار بن اسود کہیں مل جائے تو اسے قتل کر دو۔

"آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اگر ہبار بن اسود کہیں مل جائے تو اسے قتل کر دو"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مہم پر روانہ کیا اور فرمایا کہ اگر فلاں اور فلاں تمہیں مل جائیں تو ان کو آگ میں جھونک کر جلا دینا۔ مگر جب ہم روانہ ہونے کے ارادے سے رسول اللہ ﷺ کو الوداع کہنے کے لیے آئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ فلاں اور فلاں کو آگ سے جلا دینا، (وَإِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا إِلَّا اللّٰهُ) ''لیکن آگ کا عذاب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور نہیں دے سکتا'' اس لیے اگر وہ تمہیں مل جائیں تو انہیں قتل کر دینا۔[1]

[1] صحيح الجامع للألباني:1/234.

ابوالعاص بیوی کی وفائیں نہ بھول سکے

وقت تیزی سے گزرتا چلا گیا۔ ابوالعاص نے اپنی اہلیہ کو مدینہ منورہ بھجوا تو دیا مگر ان کی وفائیں بھول نہ پائے۔ شام کا سفر تو اہل مکہ کے لیے عام سی بات تھی۔ شام کے سفر کے دوران انہیں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی یاد آئی تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

ذَكَرْتُ زَيْنَبَ لَمَّا دَرَكْتُ أَرَمَا
فَقُلْتُ: سُقْيًا لِشَخْصٍ يَسْكُنُ الْحَرَمَا
بِنْتُ الْأَمِينِ جَزَاهَا اللّٰهُ صَالِحَةً
وَكُلُّ بَعْلٍ سَيُثْنِي عَلَى مَا عَلِمَا

''جب میں (مدینہ کے قریب واقع) ''بُرَ ارما'' سے گزرا تو میں نے زینب کو یاد کیا۔ میں نے کہا: حرم کے ایک باشندے (ابوالعاص) کو پانی پلاؤ۔ رسول امین کی بیٹی کو اللہ جزائے خیر دے، وہ بہت اچھی خاتون ہے۔ ہر خاوند اپنی بیوی کے جن اوصاف سے آگاہ ہوتا ہے انہی کی تعریف کرتا ہے۔''[1]

[1] تهذيب الأسماء واللغات:2/610.

ابوالعاص شام کے سفر میں تھے، ان کے پاس اہل مکہ کا بہت سا مال مضاربت پر تھا۔ انہوں نے شام کے علاقے میں اپنا مال بیچا اور خوب نفع کمایا۔

بُصرائے شام، دمشق سے اردن جانے والی سرحد پر واقع بہت قدیم شہر تھا۔ اس وقت سب سے بڑا تجارتی مرکز یہی تھا۔ راقم الحروف نے اس شہر کی 2008ء میں سیر کی تھی۔ اب تو اس کے کھنڈرات ہی ملتے ہیں مگر شامی حکومت نے اس پر بے پناہ رقوم خرچ کر کے اسے سیاحتی مرکز میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ شہر جو بلاشبہ ہزاروں سال پرانا ہے اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی یہ کسی زمانے میں بڑی منڈی رہا ہوگا۔ بحیرہ راہب اسی جگہ رہتا تھا اور یہیں اس کا گرجا بھی تھا۔ روایات کے مطابق قریش عموماً اسی شہر میں آتے، اپنا سامان فروخت کرتے اور واپس جاتے ہوئے یہاں سے نئی نئی چیزیں خریدتے تھے۔ آج کل جو نمائشیں لگتی ہیں ان کا تصور یقیناً ہزاروں سال پرانا ہے۔ قارئین کو اگر میسر ہو تو اس علاقے کی سیر کے لیے ضرور جائیں، یہاں ہماری تاریخ کے اوراق چھپے ہوئے ہیں۔

بصریٰ میں واقع آثار

شام کا راستہ مدینہ منورہ کے قرب و جوار سے ہو کر گزرتا تھا۔ مسلمان حالت جنگ میں تھے، ابھی

صلح حدیبیہ کا واقعہ نہیں ہوا تھا۔ ابوالعاص اپنے سامان تجارت کو لیے شام سے مکہ مکرمہ کی طرف جا رہے تھے کہ مدینہ طیبہ کے قریب سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے فوجی دستے سے سامنا ہوگیا۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ستر سواروں کے ساتھ ''عیص'' کی جانب جا رہے تھے۔ ابوالعاص بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے اور قافلے کا سامان مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔

ابوالعاص سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے دروازے پر

ابوالعاص نے جائے وقوعہ سے فرار ہو کر سیدھے مدینہ منورہ کا رخ کیا اور رات کے وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے دروازے پر دستک دی۔ یہ ان کے خاوند تھے۔ یہ درست ہے کہ ابھی انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بچوں کے باپ تو تھے۔ ابوالعاص نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے پناہ مانگی جو انہوں نے عطا فرما دی۔ اللہ کے رسول ﷺ فجر کی نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ خواتین بھی مسجد آیا کرتی تھیں مگر مردوں کی صفوں سے کافی پیچھے صفیں باندھ کر کھڑی ہوتیں۔ آپ ﷺ جب نماز پڑھ چکے تو عورتوں کی صفوں میں سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کھڑی ہوئیں اور انہوں نے بلند آواز سے کہا:

(أَيُّهَا النَّاسُ!
إِنِّي قَدْ أَجَرْتُ أَبَا الْعَاصِ بْنَ الرَّبِيعِ)

''لوگو! آگاہ رہو ابوالعاص بن ربیع میری پناہ میں ہیں۔''

"لوگو!
آگاہ رہو
ابوالعاص بن ربیع
میری پناہ میں ہیں"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جب کہا کہ لوگو! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ساتھیو! کیا تم نے بھی وہی بات سنی ہے جو میں نے سنی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہاں میں جواب دیا۔ اب ارشاد ہوا: 'وَالَّذِي

نَفسِي بِيَدِهِ، ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے اس سے پہلے اس بات کا علم نہ تھا حتی کہ میں نے ابھی سنا جو تم نے بھی سنا، ایک ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دینے کا حق رکھتا ہے۔'' اللہ کے رسول ﷺ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ''مہمان کی تعظیم اور تکریم کرو مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ اختلاط سے احتراز رہے۔''[1]

[1] السيرة لابن هشام:2/658.

اب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے والد گرامی سے عرض کی کہ ابو العاص کا تمام مال اور سامان تجارت واپس کر دینا چاہیے۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق اور قانون کی حکمرانی کا مظاہرہ دیکھیے، اگر چاہتے تو حکم صادر فرما دیتے کہ سب لوگ ابو العاص کا سامان واپس کر دیں اب کون انکار کرتا مگر آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

(إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ مِنَّا حَيْثُ قَدْ عَلِمْتُمْ، وَقَدْ أَصَبْتُمْ لَهُ مَالًا فَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَرُدُّوا عَلَيْهِ الَّذِي لَهُ فَإِنَّا نُحِبُّ ذٰلِكَ وَإِنْ أَبَيْتُمْ فَهُوَ فَيْءُ اللّٰهِ الَّذِي أَفَاءَ عَلَيْكُمْ فَأَنْتُمْ أَحَقُّ بِهِ)

''اس شخص کا ہمارے ساتھ جو تعلق ہے وہ تم لوگوں کو معلوم ہی ہے۔ اس کا کچھ مال تمہارے ہاتھ لگا ہے۔ اگر تم احسان کرو اور اسے لوٹا دو تو مجھے خوشی ہوگی لیکن اگر تم نہ دینا چاہو تو یہ مالِ فے ہے جو اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے۔ تمہیں وہ مال اپنے پاس رکھنے کا پورا حق ہے۔''
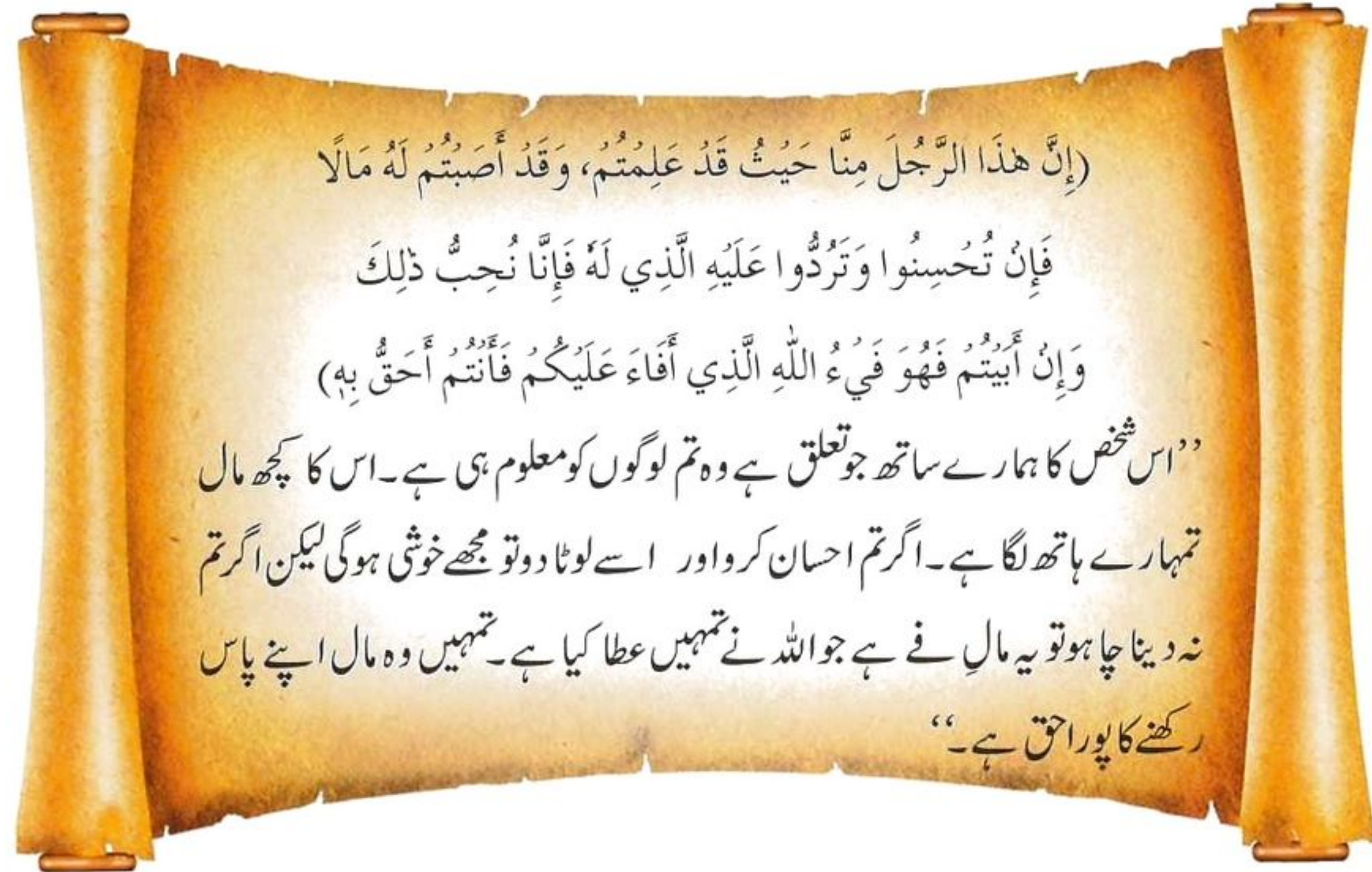
لوگوں نے آپ کی اس خواہش کا اس درجہ احترام کیا کہ ابو العاص کی ایک ایک چیز واپس کر دی حتی کہ کسی کے پاس اگر بوری باندھنے کی رسی تھی تو اسے بھی لوٹا دیا گیا۔[1] ابو العاص پر اس حسن سلوک کا بڑا گہرا اثر ہوا، وہ تو پہلے ہی اخلاق محمدی سے متأثر تھا۔ یہ درست ہے کہ اس نے ابھی تک

اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر اس کی زبان یا ہاتھ سے کوئی ایسا کلمہ یا فعل سرزد نہیں ہوا تھا جس سے آپ ﷺ کی دل آزاری ہوتی۔ ابو العاص نے اپنے بچوں کو پیار کیا اور مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب اس کا دل ایمان سے بھر چکا تھا مگر بوجوہ اس کے اظہار کا وقت نہیں آیا تھا۔

[1] السيرة لابن هشام:2/659.

ابو العاص بن ربیع آغوشِ اسلام میں

ابو العاص مکہ پہنچے، جن جن کا حساب ان کے ذمہ تھا انہیں ادائیگی کی، جو لینا دینا تھا اسے چکایا، پھر لوگوں سے پوچھا کہ اب کسی کا حق میرے ذمہ بنتا ہے تو مجھے بتایا جائے۔ سب لوگوں نے گواہی دی کہ وہ وفا والے، وعدہ پورا کرنے والے اور حق ادا کرنے والے معزز انسان ہیں۔

مدینہ منورہ سے واپس آنے والے ابو العاص کے ذہن سے قومی حمیت کا خمار اتر چکا تھا۔ ان کے دل و دماغ میں ایک انقلاب برپا ہو چکا تھا اور وہ اسلام کی حقانیت کو پوری طرح سمجھ چکے تھے۔ انہوں نے اہل مکہ سے مخاطب ہو کر کہا:

> ”میں اسلام قبول کرنا چاہتا تھا مگر مجھے ڈر تھا کہ تم لوگ الزام لگاؤ گے کہ اس شخص نے ہمارا مال ہڑپ کرنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے“

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ،

پھر کہا: مکہ والو! سنو، میں بڑی دیر سے اسلام کی خوبیوں سے آگاہ تھا۔ میں اسلام قبول کرنا چاہتا تھا مگر مجھے ڈر تھا کہ تم لوگ الزام لگاؤ گے کہ اس شخص نے ہمارا مال ہڑپ کرنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے۔ میں نے تمہارے تمام حقوق ادا کر دیے ہیں، لہٰذا اب میں اپنے سسر کا دین قبول کرنے کے لیے مدینہ طیبہ جا رہا ہوں۔[1]

[1] السيرة لابن هشام:2/660.

ابو العاص رضی اللہ عنہ سوئے طیبہ

ابو العاص رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا رخت سفر باندھا اور مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ رسول کریم ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ مدینۃ الرسول میں ان کے آنے سے خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو دوبارہ ان کے پاس رخصت کر دیا۔ نکاح جدید نہیں کیا گیا۔[1] بعض سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ نکاح دوبارہ کیا گیا۔

[1] السيرة لابن هشام: 2/660.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا آغوشِ رحمت الٰہی میں

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں خوش تھیں، تاہم ان کی صحت پہلے والی نہ رہی تھی۔ مکہ میں ہبار بن اسود نے ان کے اونٹ پر جو حملہ کیا تھا اور آپ زخمی ہو گئی تھیں، اس سے آپ رضی اللہ عنہا پوری طرح صحت یاب نہ ہو سکیں، اس لیے بعض کتب سیرت میں آپ کو شہیدہ بھی لکھا گیا ہے۔ اس طرح (2) ہجری میں مدینہ طیبہ تشریف لانے والی سیدہ اپنے والد گرامی کی معیت میں صرف (5) برس گزار کر چھٹے

برس (8) ہجری میں اس دار فانی سے رخصت ہو گئیں۔ إنا للّٰہ وإنا إليه راجعون۔ احادیث میں ان کی وفات کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: جس وقت نبی کریم ﷺ کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ غسل دو۔ اگر مناسب سمجھو تو زیادہ مرتبہ بھی غسل دیا جا سکتا ہے۔ غسل کے پانی میں بیری کے پتوں کی اور آخر میں کافور کی آمیزش کر لینا۔ جب غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔ جب ہم غسل سے فارغ ہو گئیں اور آپ ﷺ کو اطلاع دی تو آپ ﷺ نے ہماری طرف اپنی چادر بڑھا دی اور فرمایا: اسے میری بیٹی کے کفن کے اندر پہنا دو۔[1]

"آپ ﷺ نے فرمایا: تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ غسل دو۔ اگر مناسب سمجھو تو زیادہ مرتبہ بھی غسل دیا جا سکتا ہے"

[1] صحيح البخاري، حديث: 1254.

غسل دینے میں سیدہ ام ایمن، ام المؤمنین سیدہ سودہ اور ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہن شریک تھیں۔

نبی اکرم ﷺ نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتر کر اپنی لختِ جگر کو اپنے مبارک ہاتھوں سے سپردِ خاک کیا۔[1]

[1] أسد الغابة: 5/299.

اب ہم مختصراً سیدنا ابو العاص اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد کا ذکر کرتے ہیں۔
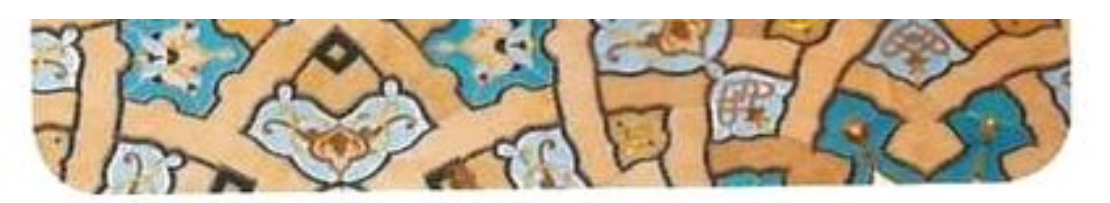
سیدہ امامہ بنت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہما

سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا، سیدنا ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ یہ خالص ہاشمی اور قریشی گھرانہ تھا جہاں اخلاق کی اعلیٰ مثالیں موجود تھیں۔ جس بچی کی والدہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہوں اور والد ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ جیسے نہایت شریف النفس انسان ہوں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابوالعاص نے ہم سے جو بات کی سچی کی، جو وعدہ کیا اسے پورا کیا۔ جس کی نانی ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہوں اور نانا امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہوں، اس سے زیادہ اعلیٰ نسب کس کا ہوسکتا ہے؟ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی گود میں پلنے والی سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا نہایت لاڈلی تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ ان سے بہت پیار کرتے تھے۔

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مسجد میں ہوتے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے، آپ ﷺ نے امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھایا ہوا ہوتا تھا، آپ رضی اللہ عنہا ابھی بچی تھیں اور اللہ کے نبی ﷺ کے کندھے پر سوار ہوتی تھیں۔ اسی حالت میں آپ ﷺ نماز پڑھاتے، جب آپ ﷺ سجدے میں جاتے تو انہیں اتار دیتے اور جب قیام کرتے تو انہیں اٹھالیتے تھے۔[1]

① صحيح البخاري: 516، وصحيح مسلم: 543.

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس عقیق کا قیمتی ہار تحفے میں آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے اہل بیت میں سے مجھے جو سب سے محبوب ہے، یہ ہار میں اُسے دوں گا۔ عورتوں نے کہہ دیا: یہ ہار بھی ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) لے جائے گی لیکن نبی کریم ﷺ نے امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو بلایا اور وہ ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔[1]

① الإصابة: 25/8.

شاہ حبشہ نجاشی نے ایک انتہائی قیمتی انگوٹھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجی جس میں بہت قیمتی نگینہ تھا۔ آپ ﷺ نے سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان کے ہاتھ میں وہ انگوٹھی پہنادی۔[1]

① الإصابة: 25/8.

> عورتوں نے کہا: یہ ہار بھی ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) لے جائے گی لیکن نبی کریم ﷺ نے امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو بلایا اور وہ ہار ان کے گلے میں ڈال دیا

سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا نے اپنے نانا محترم سے بہت محبت اور پیار حاصل کیا۔ سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا نے (8) ہجری میں اپنی والدہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی جدائی کا صدمہ برداشت کیا اور (12) ہجری میں ان کے شفیق ومہربان والد محترم سیدنا ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ وفات پاگئے۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

واضح رہے کہ سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو، جو ان کے قریبی رشتے دار تھے، سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کی کفالت کے متعلق وصیت بھی فرمائی تھی۔

سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کی شادی

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے چند ماہ بعد سیدہ فاطمہ

الزہراء ؓ بھی وفات پا گئیں۔ بعض روایات کے مطابق انہوں نے سیدنا علی ؓ کو وصیت کی تھی کہ وہ ان کے بعد امامہ بنت زینب ؓ سے شادی کر لیں۔

سیدنا زبیر بن عوام ؓ نے ابوالعاص ؓ کی وصیت کے مطابق سیدہ امامہ ؓ کا نکاح سیدنا علی ؓ سے کر دیا۔

میاں بیوی میں مثالی محبت اور پیار تھا۔ شادی کے بعد سیدہ امامہ ؓ کے آنگن میں ایک خوبصورت پھول کھلا جن کا نام محمد رکھا گیا جو بعد میں محمد الأوسط کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ①

① أنساب الأشراف، أزواج رسول الله وولده: 177/1.

بعض سیرت نگاروں کے مطابق سیدہ امامہ ؓ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضی ؓ کی شہادت کے بعد ان کا نکاح مغیرہ بن نوفل ؓ سے ہوا اور ایک بیٹا یحییٰ پیدا ہوا جس کی وجہ سے ان کی کنیت ام یحییٰ مشہور ہوئی۔ انہی کے عقد نکاح میں آپ کی وفات ہوگئی۔ رضي الله عنها وأرضاها. ①

① الإصابة: 26/8.

سیدنا علی بن ابوالعاص بن ربیع ؓ

سیدنا علی ؓ، سیدہ زینب ؓ کے بیٹے اور اللہ کے رسول ﷺ کے نواسے تھے۔ ان کی بڑی بہن سیدہ امامہ ؓ تھیں جن سے رسول اللہ ﷺ شدید محبت کیا کرتے تھے۔ ان کے والد سیدنا ابوالعاص بن ربیع ؓ تھے۔ ان کی نانی ام المؤمنین سیدہ خدیجہ ؓ اور نانا رسول اللہ ﷺ تھے۔ ان کی دادی سیدہ ہالہ بنت خویلد ؓ تھیں۔ انہوں نے بھی اپنے نانا حضرت محمد ﷺ سے بہت پیار حاصل کیا۔

سیدنا علی بن ابوالعاص ؓ کو دودھ پلانے کے لیے قبیلہ بنو غاضرہ کی ایک خاتون کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ نبی کریم ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے علی بن ابوالعاص ؓ کو اٹھایا اور اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا، میرے اس بیٹے علی سے رشتہ داری میں جو بھی میرے شریک ہیں، میں ان سب سے زیادہ اس کا حق دار ہوں اور فرمایا: کسی چیز میں کافر اور مسلمان شریک ہوں تو مسلمان اس چیز کا کافر سے زیادہ حق دار ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ سیدنا ابوالعاص ؓ نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

"سیدنا علی بن ابوالعاص ؓ فتح مکہ کے دن اپنے نانا محترم کے ساتھ ان کی سواری پر سوار تھے"

سیدنا علی بن ابوالعاص ؓ فتح مکہ کے دن اپنے نانا محترم کے ساتھ ان کی سواری پر سوار تھے۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں یہ پھول مرجھا گیا اور عین جوانی ہی میں انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ①

① أسد الغابة: 306/3.

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا
بنت محمد ﷺ

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ولادت کے تین سال بعد بعثت نبوی سے سات سال پہلے پیدا ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کی سیدہ خدیجہ سے ہونے والی ساری اولاد نجیب الطرفین تھی۔سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا والد اور والدہ دونوں کی طرف سے قرشیہ تھیں۔سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک 33 سال تھی۔ان کی ولادت کے وقت تک آپ ﷺ کے سر پر تاج نبوت نہیں رکھا گیا تھا۔آپ ﷺ کے گھر کے ساتھ ہی ابولہب کا گھر تھا۔نبوت ملنے سے پہلے یہ شخص یقیناً آپ ﷺ سے محبت کرتا تھا۔ابولہب کا اصل نام عبدالعزی تھا۔نہایت خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ مالدار بھی تھا۔اس کے ایک بیٹے کا نام عتبہ اور دوسرے کا نام عتیبہ تھا۔بنو ہاشم کے کچھ لوگ سردار ابوطالب کو لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گویا ہوئے: آپ نے اپنی بڑی بیٹی کا نکاح ابوالعاص سے کر دیا ہے۔بلا شبہ وہ اچھا داماد اور شریف انسان ہے۔مگر ہم (آپ کے ددھیالی رشتہ دار) یہ کہتے ہیں کہ جس طرح آپ پر خدیجہ کی بہن ہالہ کے بیٹے کا حق ہے اسی طرح ہمارا بھی حق ہے۔حسب و نسب اور شرافت میں ہم کسی طرح ان سے کم نہیں۔آپ ﷺ

نے پوچھا: معاملہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم آپ کی دو بچیوں رقیہ اور ام کلثوم کا رشتہ مانگنے آئے ہیں۔رشتہ مانگنے والوں میں ابولہب بھی تھا۔اور وہ اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لیے رشتہ طلب کر رہا تھا۔

ارشاد ہوا: اے چچا! مجھے قرابت داری اور رشتہ داری سے انکار نہیں مگر مجھے سوچنے کا موقع دیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا۔ پہلے تو وہ اس رشتے پر تیار نہیں ہوئیں۔ کیونکہ ان کے سامنے ام جمیل کا چہرہ تھا جو ابولہب کی بیوی تھی اور اسے ان سیدات کی ساس بننا تھا۔ یہ خاتون، جس کا نام اروی تھا، ابوسفیان کی بہن اور اموی خاندان کے مشہور سردار حرب بن امیہ کی بیٹی تھی۔ یہ خاصی بدتمیز، بدزبان اور فتنہ پرداز عورت تھی۔ قرآن کریم نے حَمَّالَةَ الحَطَب کا لقب اسی بدبخت عورت کو دیا۔سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ فکر تھی کہ ان بچیوں کا نباہ اس عورت کے ساتھ کیسے ہوگا۔ پورا مکہ اس عورت کی بدزبانی سے واقف تھا۔تاہم ان کے سامنے یہ بات بھی تھی کہ وہ اپنی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا رشتہ اپنے بھانجے سے کر چکی تھیں۔اور بچیوں کے ددھیال کا بھی ان پر حق ہے، چنانچہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مشورے اور بیٹیوں کی رضا مندی سے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عتبہ سے ہوگیا، جبکہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوا، تاہم جب رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا، اس وقت تک ان کی رخصتی نہ ہوئی تھی اور یہ دونوں سیدات اپنے والد گرامی کے گھر پر ہی تھیں۔ [1]

"اے چچا! مجھے قرابت داری اور رشتہ داری سے انکار نہیں مگر مجھے سوچنے کا موقع دیں"

[1] أسد الغابة: 5/387.

جب اللہ کے رسول ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کی چاروں صاحبزادیاں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔ سیرت نگاروں نے وضاحت سے لکھا ہے کہ جس روز سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا، ان کی چاروں بیٹیوں نے بھی اسی روز اسلام قبول کر لیا تھا۔

① الطبقات لابن سعد:36/8.

دعوتِ اسلام اور ابولہب کی بدزبانی

ابولہب نے شروع دن سے آپ کی سخت مخالفت کی۔ یوں تو بنو ہاشم کے بہت سارے افراد نے اسلام قبول کرنے میں بہت تاخیر سے کام لیا مگر یہ خاندانی تعصب تھا یا روایات کی پاسداری کہ کافر ہونے کے باوجود انہوں نے آپ ﷺ کا ساتھ دیا اور آپ کا حتی الامکان دفاع کیا۔ یہ لوگ شعب ابی طالب میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ محصور رہے۔ مگر ابولہب کا معاملہ سب سے انوکھا تھا۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ آپ ﷺ کو زیادہ سے زیادہ کیسے تکلیف پہنچائے۔ یہ بدزبانی کرتا رہتا مگر اللہ کے رسول ﷺ ہمیشہ خاموش ہی رہتے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ شخص اس وقت کے مروجہ اصولوں کے مطابق اپنے یتیم بھتیجے کا ساتھ دیتا کیونکہ قبائلی معاشرے میں چچا کو بھی باپ کا درجہ حاصل تھا۔ بالخصوص اس صورت میں جبکہ حقیقی والد فوت ہو چکا ہو۔

"ابولہب کا معاملہ سب سے انوکھا تھا۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ آپ ﷺ کو زیادہ سے زیادہ کیسے تکلیف پہنچائے"

ایک روز اللہ کے رسول ﷺ کو حکم ملتا ہے کہ

﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ ﴾

''آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔'' (الشعراء:214)

آپ ﷺ نے بنو ہاشم کو اپنے گھر پر جمع کیا۔ اس دعوت میں (45) افراد آئے۔ جن میں ابولہب بھی شامل تھا۔ اس نے آپ ﷺ کی شدید مخالفت کی مگر آپ ﷺ خاموش رہے اور مجلس میں کوئی گفتگو نہ فرمائی۔ ①

① أنساب الأشراف:134/1.

ایک موقع پر آپ ﷺ نے ایک بار پھر اپنے رشتہ داروں کو جمع کیا۔ سردار ابوطالب نے آپ ﷺ کی حوصلہ افزائی کی مگر ابولہب نے بکواس کی کہ یہ ایک بری دعوت ہے۔ سردار ابوطالب نے کہا: اللہ کی قسم! جب تک جسم میں جان ہے ہم ان کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ ①

"سردار ابوطالب نے کہا: اللہ کی قسم! جب تک جسم میں جان ہے ہم ان کی حفاظت کرتے رہیں گے"

① سبل الهدى والرشاد:323/2.

جب اللہ کے رسول ﷺ کو یقین ہو گیا کہ اور کوئی نہ سہی مگر اللہ کے اس دین کی تبلیغ کے دوران ابوطالب ضرور ان کی حمایت کریں گے تو ایک دن آپ ﷺ نے ''صفا'' پہاڑی پر چڑھ کر یَا صَبَاحَاهُ ''ہائے صبح کی مصیبت'' کی آواز لگائی اور ایک ایک قبیلے کو نام لے کر بلایا۔ جب قریش کے قبائل جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے انہیں دعوت توحید دی، اپنے منصب رسالت سے آگاہ کیا اور قیامت کے دن پر ایمان لانے کے

لیے کہا۔ گروہ قریش میں ابولہب بھی موجود تھا کہ اس نے زبان درازی کرتے ہوئے کہا: تو دن بھر غارت ہو، کیا تو نے ہمیں اس بات لیے جمع کیا تھا۔ [1]

[1] صحيح البخاري، حديث:4770 و4971.

اللہ کی طرف سے بدزبانی کا جواب

رسول اللہ ﷺ نے اس بدبخت کی بدزبانی کا کوئی جواب نہ دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کا خود دفاع کیا اور سورۂ لہب نازل فرمائی:

﴿تَبَّتۡ يَدَآ أَبِي لَهَبٖ وَتَبَّ....﴾

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ و برباد ہو جائے ......۔''

سورت کے نازل ہونے کے بعد ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کے غیظ و غضب میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ آپ ﷺ کو تلاش کرتی ہوئی آئی، آپ ﷺ اس وقت مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہمراہ تھے۔ اس کے ہاتھ میں پتھر تھے۔ آپ ﷺ کے سامنے آئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہ پکڑ لی اور وہ آپ ﷺ کو دیکھ نہ سکی۔ صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا: ابوبکر! تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میری ہجو کرتا ہے۔ بخدا! اگر میں اسے پا گئی تو اس کے منہ پر یہ پتھر دے ماروں گی۔ دیکھو خدا کی قسم! میں بھی شاعرہ ہوں۔ پھر اس نے شعر سنایا:

مُذَمَّمًا عَصَيْنَا وَأَمْرَهُ أَبَيْنَا وَدِينَهُ قَلَيْنَا

''ہم نے اس مذَمَّم (لائق مذمت شخص) کی نافرمانی کی، اس کے حکم کو تسلیم نہ کیا اور اس کے دین کو نفرت و حقارت سے چھوڑ دیا۔'' [1]

[1] السيرة لابن هشام:356/1.

قارئین کرام! ان واقعات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل آپ ﷺ کے کس قدر دشمن تھے۔ اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اوپر والے اشعار کا اہل علم میں سے کسی نے جواب دیا ہے۔ ہمارے محترم چچا مولانا عبدالسلام کیلانی رحمۃ اللہ علیہ عموماً ان مصرعوں کو دہرایا کرتے تھے۔

مُحَمَّدًا أَطَعْنَا: ''محمد ﷺ کی ہم نے اطاعت کی۔'' وَأَمْرَهُ قَبِلْنَا: ''ہم نے ان کے امر کو تسلیم کیا۔'' وَدِينَهُ رَضِينَا وَنَفْسَهُ فَدَيْنَا: ''ہم ان کے دین پر راضی ہیں اور ہماری جانیں ان پر قربان ہوں۔''

ابولہب اور اس کے بیٹوں کی بدبختی

ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں کو علیحدہ علیحدہ بلوایا اور ہر ایک سے کہا: 'رَأْسِي مِنْ رَأْسِكَ حَرَامٌ إِنْ لَمْ تُطَلِّقْ ابْنَتَهُ' ''اگر تم نے اس (محمد ﷺ) کی بیٹی کو طلاق نہ دی تو میرا اور تمہارا سر آمنے سامنے نہیں ہو سکے گا یعنی میں کبھی تمہاری شکل نہیں دیکھوں گا۔'' [1]

[1] السيرة الحلبية:468/1.

> ''اگر تم نے (محمد ﷺ) کی بیٹی کو طلاق نہ دی تو میرا اور تمہارا سر آمنے سامنے نہیں ہو سکے گا یعنی میں کبھی تمہاری شکل نہیں دیکھوں گا''

ایک دوسری روایت میں ہے: ابولہب نے اپنے بیٹوں سے کہا: دیکھو محمد ﷺ نے ہمیں گالی دی ہے۔ ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے، ندامت سے ہمارے سر جھک گئے ہیں۔ اس نے بڑے غصے سے اپنے بیٹے عتبہ سے کہا کہ محمد (ﷺ) کی بیٹی کو فوراً طلاق دے دو اور اس نے اسی وقت طلاق دے دی۔

پھر اس نے کہا کہ میں رقیہ (رضی اللہ عنہا) کے باپ کے سامنے جا کر اس کے رب کے بارے میں ایسی بات کہوں گا کہ اس کو صدمہ پہنچے گا، چنانچہ عتبہ آپ ﷺ کے پاس آیا، بدتمیزی کی اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ آپ ﷺ کی معصوم بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کو جب اس نے طلاق دی تو آپ ﷺ نے اسے بددعا دی اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

(اَللّٰھُمَّ! سَلِّطْ عَلَیْهِ کَلْبًا مِنْ کِلَابِكَ)

''اے اللہ! اپنے کتوں میں سے کوئی کتا اس پر مسلط کر دے۔''[1]

[1] السيرة الحلبية:468/1.

پھر ایسا ہوا کہ یہ بدبخت ایک مرتبہ تجارتی قافلے کے ہمراہ شام کے علاقے زرقا میں جا رہا تھا کہ رات کے وقت قافلے نے پڑاؤ ڈالا۔ ایک شیر نے انکے گرد چکر لگایا۔ عتبہ نے دیکھتے ہی کہا: ہائے میری تباہی! خدا کی قسم! یہ مجھے کھا جائے گا جیسا کہ محمد (ﷺ) نے مجھ پر بددعا کی ہے۔ دیکھو میں شام میں ہوں مگر محمد نے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے مجھے مار ڈالا ہے۔ احتیاطاً لوگوں نے عتبہ کو اپنے اور جانوروں کے گھیرے کے بیچوں بیچ سلایا لیکن رات کے وقت شیر سب کو پھلانگتا ہوا سیدھا عتبہ کے سر پر پہنچ گیا اور گردن سے دبوچ کر اسے مار ڈالا۔[1]

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر:302/38، والمستدرك للحاكم:539/2.

زرقا کا علاقہ اردن کے دارالحکومت عمان کے قریب ہی ہے۔ راقم الحروف جب اس علاقے کو دیکھنے گیا تو زرقا جانے کا اتفاق بھی ہوا۔ یہ علاقہ اس زمانے میں عربوں کا بڑا تجارتی مرکز تھا۔ سیرت نگاروں میں اختلاف ہے کہ ابولہب کے شیر کے ذریعے ہلاک ہونے والے بیٹے کا نام عتبہ تھا یا عتیبہ۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے ''الرحیق المختوم'' میں اس کا نام عتیبہ لکھا ہے جس نے آپ ﷺ سے بدتمیزی کی اور آپ ﷺ نے اس پر بددعا کی۔

قریشیوں کی چال کی ناکامی اور اللہ تعالیٰ کے حکمت بھرے فیصلے

سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن قریش نے کہا کہ محمد ﷺ کو انکے گھر میں پریشان کرو اور ان کی بیٹیوں کو طلاق دلواؤ۔ پہلے وہ ابوالعاص کے پاس گئے اور ان سے کہا: محمد (ﷺ) کی بیٹی زینب (رضی اللہ عنہا) کو طلاق دے دو، تم قریش کی جس عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہو وہ عورت تمہیں پیش کر دی جائے گی، مگر انہوں نے سختی سے انکار کر دیا، لیکن جب یہی پیش کش ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کو کی گئی تو انہوں نے سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔[1]

" محمد ﷺ کو اپنے گھر میں پریشان کرو اور ان کی بیٹیوں کو طلاق دلواؤ "

[1] السيرة لابن هشام:652/2.

ام جمیل اور ابولہب سمیت قریش کے لوگوں کا خیال تھا اور یہ تمنا اور خواہش بھی تھی کہ سیدہ رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے سے آپ ﷺ کے گھر میں اضطراب اور پریشانی ہو گی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فیصلے بڑے اعلیٰ اور حکمت والے ہوتے ہیں۔ اس مالک حقیقی نے دشمنان اسلام کی یہ خواہش پوری نہ ہونے دی اور نبی کریم ﷺ کو ابولہب کی اولاد سے بدرجہا اعلیٰ اور افضل داماد عطا فرما دیا۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے نکاح

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے مسلمان ہو چکے تھے۔ یہ اموی خاندان سے تھے اور نہایت شریف النفس اور خوبصورت انسان تھے۔ نوجوان اور کنوارے تھے۔ نہایت مالدار تاجر تھے۔ گویا شادی کے لیے کسی بھی نوجوان میں جو اعلیٰ صفات مطلوب ہوتی ہیں وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اندر موجود تھیں۔ انہوں نے آپ ﷺ سے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگ لیا۔ اس رشتے کو قبول کرلیا گیا اور ان کی شادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوگئی اور وہ محسن انسانیت کے داماد بن گئے۔ طبرانی کی ایک روایت کے مطابق سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح وحی الٰہی سے ہوا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ میں اپنی کریمہ (رقیہ رضی اللہ عنہا) کا نکاح عثمان بن عفان سے کردوں۔''[1]

[1] المعجم الأوسط للطبراني: 4/17.

مکہ والے محمد (ﷺ) سے حسد اور دشمنی کے باعث اس شادی میں شریک نہ ہوئے۔ بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوگئے۔ دشمنان اسلام کا غرور اور ان کی سازشیں مکمل طور پر ناکام ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو عتبہ سے کہیں بہتر، خوبصورت، خوب سیرت اور مالدار خاوند عطا کر دیا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی اس رشتے سے بے حد خوش تھے اور اس نئے جوڑے کے لیے دعائیں فرماتے تھے۔

میاں بیوی میں مثالی محبت

یہ خوبصورت جوڑا بڑا مثالی تھا۔ باہمی محبت اور حسن معاشرت سے مثالی زندگی بسر کر رہا تھا۔ مکہ مکرمہ میں یہ شادی اور یہ جوڑا ضرب المثل بن گیا تھا۔ لوگوں کا کہنا تھا:

(أَحْسَنُ زَوْجَيْنِ رَآهُمَا إِنْسَان، رُقِيَّةُ وَزَوْجُهَا عُثْمَان)

''انسانی آنکھ نے میاں بیوی کا ہر لحاظ سے جو سب سے اچھا جوڑا دیکھا ہے وہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جوڑا ہے۔''[1]

''سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جوڑا ہر لحاظ سے سب سے اچھا جوڑا قرار دیا گیا''

[1] أنساب الأشراف، ص: 89۔

میاں بیوی میں مثالی محبت اس لیے بھی تھی کہ وہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں اور والدہ نے اپنی بیٹیوں کی نہایت عمدہ انداز میں تربیت کی تھی۔

وقت گزرتا چلا گیا اور مکہ کی فضا مسلمانوں کے لیے مشکل سے مشکل تر ہوتی چلی گئی۔ کفار نے ظلم وستم کی انتہا کر دی۔ یہ ڈر بھی تھا کہ مسلمان کہیں فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں، اس لیے رحمت دو عالم ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ''تم لوگ حبشہ (آج کل اس کا نام ایتھوپیا ہے) کی طرف ہجرت کرلو، وہاں کا بادشاہ بڑا عادل ہے اور کسی پر ظلم نہیں کرتا۔'' یہ بھی ارشاد ہوا: (هِيَ أَرْضُ صِدْقٍ) ''وہ سچائی کی سرزمین ہے۔''[1]

[1] السيرة لابن هشام: 1/322.

حبشہ بھی شام کی طرح قریش کی تجارت گاہ تھا۔ جب قریش تجارت کی غرض سے وہاں جاتے تو اس جگہ عمدہ خوراک اور امن واطمینان پاتے۔ نیز تجارت میں بھی خوب نفع ہوتا۔ اس لحاظ سے حبشہ مسلمانوں کے لیے نئی یا غیر معروف جگہ نہ تھی، چنانچہ آپ ﷺ کا اشارہ پا کر رجب (5) نبوی کو ایک مختصر سا قافلہ حبشہ کی طرف ہجرت کے لیے روانہ ہوا۔

سیدنا ابراہیم ولوط علیہما السلام کے بعد اللہ کے لیے ہجرت کرنے والا پہلا گھرانہ

''یہ دونوں سیدنا عثمان اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہما حضرت ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے بعد پہلا گھرانہ ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی''[1]۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے داماد اور بیٹی کی ان الفاظ میں تحسین فرمائی، ارشاد ہوا:

(إِنَّهُمَا أَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بَعْدَ إِبْرَاهِيمَ وَلُوطٍ)

ہزاروں سال پہلے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے دادا محترم سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہما السلام نے اپنے دین اور ایمان کو بچانے کے لیے اپنا وطن چھوڑا تھا۔ اسی طرح آج ان کی پوتی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ جا رہی ہیں۔ اور سید المرسلین فرما رہے ہیں:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہے''۔[1]

> ''حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی''

---

[1] الإصابة: 8/139.

اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے اس مقدس گروہ کے امیر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ اس قافلے میں (12) مرد اور (4) یا (5) عورتیں تھیں۔ ان چار یا پانچ عورتوں میں ایک سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔ ان محترم خواتین میں ایک نامور خاتون سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو بعد میں ام المؤمنین بنیں۔ ہجرت کے اس سفر میں وہ اپنے خاوند ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شریک تھیں۔[1]

---

[1] السيرة لابن هشام: 1/323.

رات کی تاریکی میں اس قافلہ کے شرکاء پیدل اور سوار چھپتے چھپاتے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی حالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا روانگی سے پہلے اپنی والدہ محترمہ اور والد گرامی سے لپٹ کر الوداع ہوئیں۔ آنکھیں اشک بار تھیں کہ نجانے دوبارہ ملاقات ہوگی یا نہیں۔

کویت کی بندرگاہ "الشعیبہ" کی حالیہ تصویر

حبشہ کی طرف ہجرت اور مشرکین کا تعاقب

یہ محض اتفاق تھا کہ اس قافلے کے مسافر جب یکے بعد دیگرے چھپتے چھپاتے شُعَیبہ کی بندرگاہ پر پہنچے تو اس وقت دو تجارتی جہاز حبشہ کی بندرگاہ پر جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ ان پر سامان لدا ہوا تھا۔ جہاز والے بہت اچھے لوگ تھے، انہوں نے معمولی سا کرایہ لے کر ان تمام لوگوں کو سوار کر لیا اور جہاز حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد:204/1.

> جب قریش کو اس ہجرت کا علم ہوا تو وہ خوب سٹپٹائے، بندرگاہ کی طرف آدمی دوڑائے لیکن جہاز انہیں اپنے دامن عافیت میں لے کر حبشہ روانہ ہو چکے تھے

روانگی کے بعد ایک عورت مکہ مکرمہ گئی جس نے اہل مکہ کو بتایا کہ میں نے عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) اور ان کی بیوی رقیہ بنت محمد (رضی اللہ عنہا) کو شعیبہ کی بندرگاہ کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ جب قریش کو اس ہجرت کا علم ہوا تو وہ خوب سٹپٹائے، چنانچہ انہوں نے فوری طور پر بندرگاہ کی طرف آدمی دوڑائے لیکن ان کے بندرگاہ پہنچنے سے قبل جہاز انہیں اپنے دامن عافیت میں لے کر حبشہ روانہ ہو چکے تھے۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد:204/1.

حبشہ سے واپسی اور پریشانی میں اضافہ

حبشہ پہنچ کر ان مہاجرین نے سکھ کا سانس لیا۔ انہیں عبادت کرنے کی مکمل آزادی ہو گئی۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت خوش تھیں۔ لیکن والدین کی جدائی ہمیشہ ستاتی رہتی، اس لیے مکہ مکرمہ سے آنے والی اطلاعات کے انتظار میں رہتی تھیں۔ ہجرت کو تین ماہ گزرے تھے کہ افواہ اڑی کہ مکہ مکرمہ کے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس سے

مسلمانوں کو دلی خوشی ہوئی اور انہوں نے فوراً واپسی کی تیاری شروع کر دی۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند کے ساتھ واپس آنے والوں میں شامل تھیں۔ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ تو محض افواہ تھی۔ [1]

[1] السيرة لابن هشام:364/1.

ایک اندوہناک خبر

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا جب مکہ مکرمہ واپس پہنچیں تو انہیں ایک اندوہناک خبر کا سامنا کرنا پڑا۔ خبر یہ تھی کہ ان سے بے حد پیار و محبت کرنے والی والدہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا وفات پا چکی تھیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ انسان کو اپنی والدہ کی جدائی سے جو صدمہ ہوتا ہے اس کا تصور آپ کر سکتے ہیں مگر وہ مجاہدہ، صابرہ، مہاجرہ خاتون اپنے رب کی رضا پر شاکر رہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ مشرکین مکہ کا رویہ پہلے سے بھی برا ہو چکا ہے۔ سردار ابو طالب کی وفات سے بھی اہل اسلام کے لیے مکہ کی فضا پر خاصا منفی اثر پڑا تھا۔ قریش ان کا لحاظ کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ظلم و ستم میں خاصی تیزی آ گئی، چنانچہ ایک بار پھر ان مہاجرین نے حبشہ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے دوسری بار بھی اپنے خاوند سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اور پھر کچھ عرصے کے بعد واپس مکہ تشریف لائیں۔ [1]

> مشرکین مکہ کا رویہ پہلے سے بھی برا ہو چکا تھا، سردار ابو طالب کی وفات کے بعد ظلم و ستم میں بھی اضافہ ہو گیا تھا

[1] السيرة لابن كثير، ص:743.

اس مبارک گھرانے کی تیسری مرتبہ ہجرت

پھر وہ وقت بھی آیا جب اللہ کے رسول ﷺ کو بھی ہجرت کی اجازت مل گئی۔ جاں نثار ایک ایک کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ ان مہاجرین میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل تھیں۔

ماضی کے حبشہ اور موجودہ ایتھوپیا کا نقشہ اور جھنڈا

مدینہ طیبہ میں دونوں میاں بیوی مشہور اسلامی شاعر سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے گھر میں ٹھہرے۔[1] کچھ عرصے کے بعد سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی سید ولد آدم ﷺ بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہمراہی میں مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ مدینہ منورہ کی بستی میں مسلمانوں کو بہت آرام وسکون میسر ہوا۔ انہیں دین پر عمل اور عبادت کرنے سے روکنے والا کوئی نہ تھا۔

[1] السيرة لأبي شهبة، ص: 469.

ہجرت کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مسلمانوں نے اللہ کی رضا کی خاطر ہر چیز قربان کر دی۔ اپنا کاروبار، گھربار، زمین وجائیداد سب کچھ چھوڑ کر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو راضی کرنے کے لیے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے آنگن میں پھول

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے تین ہجرتوں کی مشقت کے بعد یہ خوشی دکھائی کہ ان کے ہاں ایک خوبصورت بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔[1] اور اب سیدہ کی کنیت ام عبداللہ ہوگئی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔

[1] السيرة لابن كثير، ص: 743.

غزوہ بدر اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری

غزوۂ بدر سے پہلے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو چیچک نکل آئی۔ علاج پر بھرپور توجہ دی گئی۔ مگر مرض بڑھتا چلا گیا۔ ادھر بدر کے میدان میں جانے کا اعلان ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لڑائی میں شرکت کے لیے تیاری کرنے لگے۔ جن میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ادھر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم ان کی تیمار داری کے لیے مدینہ ہی میں رہو۔ ایک طرف وفا شعار بیوی کی بیماری اور ان کی ضرورت تھی تو دوسری طرف جذبۂ جہاد سے سرشاری، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول میرے اجر وثواب کا کیا ہوگا؟ ارشاد فرمایا:

«إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ»

''عثمان فکر نہ کرو! تمہیں غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے مجاہدین کے برابر اجر بھی ملے گا اور غنیمت سے حصہ بھی۔''[2]

''عثمان فکر نہ کرو! تمہیں غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے مجاہدین کے برابر اجر بھی ملے گا اور غنیمت سے حصہ بھی''

[1] نساء أهل البيت لأحمد خليل: 491. [2] صحيح البخاري، حديث: 3130.

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا سفر آخرت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کے پاس ہی ٹھہر گئے۔ ادھر مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے بدر کے میدان میں فتح مبین سے سرفراز فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوشخبری دینے کے لیے مدینہ منورہ روانہ فرمایا۔ ان کے مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اکیس سال کی عمر میں اس دار فانی سے رخصت ہو چکی تھیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون. زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جب فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ طیبہ پہنچے تو اس وقت سیدہ کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ [1]

> زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جب فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ طیبہ پہنچے تو اس وقت سیدہ کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی

[1] السيرة لابن كثير، ص:743.

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی لخت جگر کی وفات کے بارے میں اطلاع ملی تو نہایت صدمہ ہوا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ مدینہ منورہ واپس آئے تو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف لے گئے، دعائے مغفرت فرمائی اور فرمایا: عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ پہلے ہی اللہ کے پاس جا چکے ہیں اب تم بھی ان کے پاس چلی جاؤ۔ [1] واضح رہے کہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آ کر سب سے پہلے انہی کی وفات ہوئی تھی۔ [2]

[1] الطبقات لابن سعد:37/8.

[2] الاستيعاب في معرفة الأصحاب:324/1.

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا لختِ جگر آغوشِ رحمت الٰہی میں

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ سیدہ کے ہاں ایک بیٹا عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوا تھا۔ جب ان کی عمر چھ سال کی ہوئی تو ایک دن مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ مار دی، جس سے چہرہ سوج گیا اور تکلیف بڑھتی چلی گئی۔ بالآخر اسی تکلیف کی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما نے جمادی الأولیٰ 4 ہجری میں وفات پائی۔ (إنا لله وإنا إليه راجعون) ان کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور ان کے والد گرامی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لخت جگر کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا۔ [1] اللہ تعالیٰ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے درجات میں بلندی عطا فرمائے۔ اس عظیم خاتون نے تین مرتبہ اللہ کی راہ میں ہجرت کی صعوبتیں برداشت کیں۔ رضی اللہ عنہا

[1] الطبقات لابن سعد:37/8.

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا
بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بعثت نبوی سے چھ سال قبل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے آنگن میں ایک اور کلی کھلی جس کا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثوم رکھا۔ واضح رہے کہ عربی لغت میں کلثوم اسے کہتے ہیں جس کا چہرہ گول اور بھرا ہوا ہو، پھر یہ ساری زندگی اسی نام سے پہچانی گئیں۔

> "سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اوپر تلے کی تھیں۔ لہٰذا آپس میں خوب محبت بھی تھی"

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اوپر تلے کی تھیں۔ لہٰذا بچپن میں ایک دوسری کے بہت قریب تھیں اور آپس میں خوب محبت بھی تھی۔ اپنے والدین کی یہ لاڈلی بیٹی ابھی سن شعور کو بھی نہیں پہنچی تھیں کہ مکہ مکرمہ کے رواج کے مطابق بنو ہاشم کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں بیٹیوں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لیے مانگ لیا۔ یہ طلب نہ صرف قبول کر لی گئی بلکہ نکاح بھی ہوگیا۔ تاہم رخصتی نہ ہوئی۔ شاید اس کی وجہ سیدات کا کم سن ہونا تھا۔ ویسے بھی

اللہ تعالیٰ ان دونوں بہنوں کو ایک مفسد گھرانے سے بچانا چاہتے تھے۔ ان کی ساس (حَمَّالَةُ الْحَطَبِ) ام جمیل نہایت فسادی عورت تھی۔ مکہ والے اس کی بدزبانی اور بری طبیعت سے پوری طرح آگاہ تھے۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے واقعات میں ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ کس طرح ابولہب اور ام جمیل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں بیٹیوں کو طلاق دلوائی۔

> "شعب ابی طالب میں محصور ہونے کے دوران ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اپنے والدین کی خوب خدمت کی اور صبر اور توکل علی اللہ کا پختہ سبق بھی سیکھ لیا"

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنی والدہ کی تربیت میں ہی رہیں۔ ان کی بہن رقیہ رضی اللہ عنہا تو اپنے خاوند سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئی تھیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند کے گھر میں تھیں۔ اب گھر میں دو بہنیں ایک سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور دوسری ان کی چھوٹی بہن سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان دونوں بہنوں کو اپنے والد گرامی اور والدہ محترمہ کی خدمت اور دل جوئی کرنے کا خوب موقع ملا۔ بطور خاص جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان کے ہمراہ شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ اس وقت ان کی والدہ سن رسیدہ تھیں۔ ان کو اپنی والدہ کی خدمت کا خوب موقع ملا۔ یوں انہوں نے شعب ابی طالب سے صبر اور توکل علی اللہ کا بہت پختہ سبق سیکھ لیا تھا۔

شعب ابی طالب کے محاصرے کے اختتام پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت کمزور ہو گئی تھیں اور تھوڑے ہی عرصے بعد وہ وفات پا گئیں۔ یہ رمضان 10 نبوی کا واقعہ ہے۔ سیدہ کی تدفین مکہ مکرمہ میں حجون کے

قبرستان میں کی گئی۔ اس طرح سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو آغاز جوانی ہی میں والدہ کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔

جب اللہ کے رسول ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی سوتیلی والدہ ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ ہی میں تھیں۔ جب آپ ﷺ بخیریت مدینہ منورہ پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے کچھ عرصہ بعد سیدنا زید بن حارثہ اور ابورافع رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ وہ سیدات کو مدینہ منورہ لے آئیں، چنانچہ آپ ﷺ کے مبارک گھرانے کے باقی ماندہ افراد اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ بھی ان کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ [1]

[1] مختصر تاریخ دمشق: 202/1.

ان کے آنے سے پہلے آپ ﷺ نے ان کی رہائش کے لیے کمرے تیار کرا لیے تھے۔ ان کی بڑی بہن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال 2 ہجری میں غزوۂ بدر کے فوراً بعد ہوا۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات اس گھرانے کے لیے یقیناً ایک بڑا صدمہ تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی محبوب اور باعظمت اہلیہ کی جدائی کا بہت صدمہ تھا اور وہ بڑے غمگین تھے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بہت وفا شعار اور آپ ﷺ سے بے حد محبت کرنے والے شخص تھے۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی ازدواجی زندگی نہایت قابل رشک تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے داماد سے کوئی شکوہ شکایت نہ تھی۔ ان کا حسب ونسب بھی بڑا اعلیٰ تھا۔ وہ نیک خصلت ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت سخی بھی تھے۔ دولت مند بھی تھے اور اللہ نے دل بھی دیا تھا۔ سخاوت میں ان کے ہم پلہ کوئی کم ہی تھا۔ تین مرتبہ ہجرت کا اجر وثواب بھی لے چکے تھے۔ ادھر اللہ رب العزت بھی نبی کریم ﷺ کے اس مخلص ساتھی سے بہت راضی تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دنیا ہی میں ایک ایسا مرتبہ اور مقام نصیب ہوا جو پوری کائنات میں کسی کو نہیں ملا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی دختر سرور عالم ﷺ کی زوجیت میں

غزوۂ بدر میں جہاں فتح کی خوشیاں تھیں وہیں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا صدمہ بھی تھا۔ انہی دنوں میں سیدہ حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے پہلے خاوند بھی وفات پا گئے تھے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ابھی چھوٹی عمر کی تھیں۔ اس زمانے کے رواج اور شریعت کے تقاضوں کے عین مطابق سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شدید خواہش تھی کہ ان کی بیٹی کی شادی فوراً ہو جائے۔ انہوں نے ازخود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ میری بیٹی حفصہ سے شادی کر لیں۔ انہوں نے اس پر کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ خود سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا ارادہ کر چکے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی خاموشی پر تعجب اور قدرے ناراضی بھی ہوئی۔ اب وہ سرور کائنات ﷺ کی طرف روانہ ہوئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی سے نکاح کی پیش کش کی مگر انہوں نے خاموشی اختیار کر لی اور کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔

> ”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ میری بیٹی حفصہ سے شادی کر لیں۔ انہوں نے اس پر کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا“

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسئلے کا اس سے بہتر حل موجود ہے۔ میں حفصہ سے نکاح کر لیتا ہوں اور عثمان کا نکاح اپنی بیٹی ام کلثوم سے کر دیتا ہوں۔''[1]

اس طرح سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر شوہر مل گیا اور عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر سسر مل گیا۔

[1] المستدرك للحاكم: 4/49.

صحیح بخاری کی روایت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود اس واقعے کو بیان فرماتے ہیں:

میری بیٹی حفصہ صحابی رسول خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔ مدینہ منورہ میں ان کی وفات کے بعد وہ بیوہ ہوگئی۔ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ میری بیٹی سے نکاح کر لیں۔

انہوں نے کہا: ''میں غور کروں گا۔'' میں نے کئی روز انتظار کیا، دوبارہ دریافت کرنے پر انہوں نے کہا: ''فی الحال میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس کے بعد میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا اور انہیں سیدہ حفصہ سے نکاح کرنے کی پیش کش کی۔ انہوں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ ان کے اس رویے سے مجھے عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ رنج ہوا۔ چند روز بعد رسول اکرم ﷺ نے پیغام نکاح بھیجا تو میں نے حفصہ کی شادی رسول اللہ ﷺ سے کر دی۔ پھر ایک دن مجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے اور کہنے لگے: شاید آپ مجھ سے اس لیے ناراض ہیں کہ میں نے حفصہ کا رشتہ قبول نہیں کیا تھا؟ میں نے کہا: ہاں! وہ فرمانے لگے: درحقیقت رسول اکرم ﷺ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

''سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر شوہر مل گیا اور عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر سسر''

سے نکاح کا ارادہ رکھتے تھے، مجھے اس بات کا علم تھا۔ مگر میں خاموش رہا تاکہ رسول اللہ ﷺ کی بات ظاہر نہ ہو۔ اگر رسول اللہ ﷺ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح نہ کرتے تو میں ضرور کر لیتا۔[1]

[1] صحيح البخاري، حديث: 5122.

حکم الٰہی کے مطابق نکاح

الاصابہ میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(مَازَوَّجْتُ عُثْمَانَ أُمَّ كُلْثُومٍ إِلَّا بِوَحْيٍ مِنَ السَّمَاءِ)

''میں نے عثمان کے ساتھ ام کلثوم کی شادی آسمان سے وحی آنے پر ہی کی ہے۔''[1]

[1] الإصابة: 8/461.

مستدرک حاکم کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے عثمان! یہ جبریل کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں ام کلثوم کو آپ کے نکاح میں دے دوں اور جتنا مہر رقیہ کا مقرر ہوا تھا اتنا ہی ام کلثوم کا مہر ہو اور ان سے مصاحبت اور رفاقت بھی سیدہ رقیہ کی مصاحبت ورفاقت کی مانند ہو۔''

اس بابرکت شادی کی تفصیل

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے شادی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر ام ایمن سے فرمایا:

(هَيِّئِي ابْنَتِي أُمَّ كُلْثُومٍ وَزُفِّيهَا إِلَى عُثْمَانَ وَخَفِّقِي بَيْنَ يَدَيْهَا بِالدُّفِّ)

''میری صاحبزادی ام کلثوم کو تیار کر کے عثمان کے گھر پہنچا دو اور اس کے پاس دف بجاؤ۔''

انھوں نے ایسا ہی کیا۔ تین دن کے بعد رسول اکرم ﷺ اپنی بیٹی کے ہاں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا:

(يَا بُنَيَّةُ! كَيْفَ وَجَدْتِ بَعْلَكِ؟)

''پیاری بیٹی! تمھیں اپنے سرتاج کیسے لگے؟'' انھوں نے جواب دیا: وہ بہت اچھے ہیں۔ [1]

[1] جامع الأحاديث: 165/40، كنز العمال: 48/13.

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مسجد کے دروازے کے پاس کھڑے ہو کر فرمانے لگے:

(يَا عُثْمَانُ! هٰذَا جِبْرِيلُ أَخْبَرَنِي أَنَّ اللّٰهَ قَدْ زَوَّجَكَ أُمَّ كُلْثُومٍ بِمِثْلِ صَدَاقِ رُقَيَّةَ، عَلٰى مِثْلِ صُحْبَتِهَا)

''اے عثمان! یہ جبریل ہیں۔ انھوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ام کلثوم کا نکاح آپ سے کر دیا ہے۔ رقیہ والا حق مہر مقرر کیا ہے اور انھی جیسا سلوک کرنے کی تاکید کی ہے۔'' [1] یہ ربیع الاول 3 ہجری کا واقعہ ہے۔ ان کی رخصتی جمادی الآخرہ میں ہوئی۔

[1] سبل الهدى والرشاد: 36/11.

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی چل بسیں

شعبان 9 ہجری میں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی بیمار رہ کر وفات پا گئیں۔ [1] رسول اکرم ﷺ نے اپنی لخت جگر کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حزن وملال کی وجہ سے آپ ﷺ دیر تک ان کی قبر پر بیٹھے رہے۔

[1] الطبقات لابن سعد: 38/8.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر پر بیٹھے دیکھا، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے: (هَلْ فِيكُمْ

مِنْ أَحَدٍ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ؟) ''تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے صحبت نہ کی ہو؟'' ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں ہوں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: 'فَانْزِلْ فِي قَبْرِهَا' ''تم قبر میں اترو۔'' [1]

[1] صحيح البخاري، حديث: 1342.

رسول اکرم ﷺ نے اپنی لخت جگر کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حزن وملال کی وجہ سے آپ ﷺ دیر تک ان کی قبر پر بیٹھے رہے

لیلیٰ بنت قانف ثقفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو غسل دینے والیوں میں میں بھی شامل تھی۔ رسول اللہ ﷺ ہمیں کفن کا سامان دیتے رہے۔ سب سے پہلے آپ ﷺ نے چادر (تہبند) دی، پھر کُرتی دی، پھر دوپٹہ دیا، پھر ایک بڑی چادر مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد ایک مزید کپڑے میں انھیں لپیٹا گیا۔ آپ ﷺ دروازے کے پاس کفن لے کر کھڑے تھے اور ہمیں ایک ایک کر کے کفن کے کپڑے دے رہے تھے۔ [1]

[1] سنن أبي داود، حديث: 3157.

ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا علی المرتضی، فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم بھی قبر میں اتارنے والوں میں شامل تھے۔ [1] انھیں سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے غسل دیا تھا۔ [2]

[1] سبل الهدى والرشاد: 37/11. [2] الطبقات لابن سعد: 38/8.

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی دلجوئی

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات پر نہایت غم زدہ تھے۔ ان کی جدائی سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اعصاب جواب دے گئے اور آپ رضی اللہ عنہ کا پر رونق چہرہ مرجھا گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کے اس صدمے کو شدت سے محسوس کیا، آپ ﷺ نے ان کے قلق کا مداوا کرنے کے لیے فرمایا:

(زَوِّجُوا عُثْمَانَ لَوْ كَانَتْ عِنْدِي ثَالِثَةٌ لَزَوَّجْتُهُ،
وَمَا زَوَّجْتُهُ إِلَّا بِوَحْيٍ مِّنَ اللّٰهِ)

”عثمان کی شادی کا اہتمام کرو، اگر میرے ہاں تیسری بیٹی موجود ہوتی تو میں اسے بھی عثمان کے نکاح میں دے دیتا“

”عثمان کی شادی کا اہتمام کرو، اگر میرے ہاں تیسری بیٹی موجود ہوتی تو میں اسے بھی عثمان کے نکاح میں دے دیتا اور میں نے ان سے (اپنی بیٹیوں کی) شادی اللہ کی طرف سے وحی آنے کے بعد ہی کی تھی۔“[1]

[1] المعجم الكبير للطبراني: 184/17، ومجمع الزوائد: 83/9. (ضعيف)

یہ وہ اعزاز ہے جو تاریخ انسانی میں سوائے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے کسی فرد بشر کو حاصل نہیں ہوا کہ اس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئی ہوں، یہ اعزاز صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے حصے میں آیا ہے۔ اسی لیے انھیں ”ذوالنورین“ بھی کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حسن سلوک سے خوش ہو کر فرمایا: ”اگر ہمارے ہاں تیسری بیٹی ہوتی تو ہم وہ بھی تمھیں دے دیتے“۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا
بنت رسول اللہ ﷺ

اللہ کے رسول ﷺ کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی کا نام سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نبوت ملنے سے ایک یا دو سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس سال بیت اللہ کی تعمیر ہوئی، آپ رضی اللہ عنہا اسی سال پیدا ہوئیں۔ اور یہ واقعہ نبوت ملنے سے پانچ سال پہلے کا ہے۔ اور اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک 35 برس تھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِين، جگر گوشۂ رسول، كَرِيمَةُ الطَّرَفَيْن، أُمُّ الْحَسَنَيْن، سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّة، اَلْبَتُول، اَلرَّاضِيَّة، اَلْمَرْضِيَّة، اَلْمَيْمُونَة، اَلزَّكِيَّة جیسے متعدد القاب حاصل ہیں۔ یہ سارے القاب ان کے فضائل اور صفات حسنہ کو بخوبی واضح کرتے ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا مکارم اخلاق کا مجموعہ، فضائل حمیدہ

> خواتین عالم کی سردار سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا شکل و شباہت کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کے نہایت قریب تھیں

کا پیکر، فہم و فراست اور علم و فضل میں اپنے زمانے کی عورتوں میں امتیازی حیثیت کی مالک، خواتینِ عالم کی سردار اور (سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ) ہیں۔

ان کا بچپن اپنی بہنوں اور والدین کے ساتھ گزرا۔ اللہ کے رسول ﷺ ان کے ساتھ بڑی محبت کرتے تھے۔ شکل و شباہت کے اعتبار سے وہ رسول اللہ ﷺ کے نہایت قریب تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا نام فاطمہ رکھا۔[1]

[1] سبل الهدى والرشاد: 37/11.

والدہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نہایت محبت اور پیار سے ان کی تربیت کی اور ان میں بہادری، نیکی اور تقویٰ کی صفات پیدا کیں۔ آپ رضی اللہ عنہا لوگوں کے ساتھ خیر خواہی کرنے والی اور حسنِ اخلاق کا مجموعہ تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر پانچ سال تھی جب ان کے والدِ گرامی پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ جب والدہ نے اسلام قبول کیا تو یہ بھی پہلے دن ہی مسلمان ہو گئی تھیں۔

تبلیغ اسلام کا ابتدائی دور اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جرأت و دلیری

اللہ کے رسول ﷺ نے زمانۂ نبوت کے ابتدائی تیرہ برس مکہ مکرمہ میں توحید کی دعوت دیتے ہوئے گزارے۔ یہ آپ ﷺ کی زندگی کا مشکل ترین دور تھا جس میں مکہ والوں نے مسلمانوں اور اللہ کے رسول ﷺ پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی۔ ادھر اللہ کے رسول ﷺ بھی مسلسل جدوجہد میں مصروف رہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ دور اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جو کسی لڑکی کے بس میں ہو سکتا تھا وہ سب کچھ دین کی نصرت کے لیے کرتی رہیں۔ بچپن ہی سے ان میں شجاعت اور بہادری پائی

جاتی تھی۔

اور پھر سیرت کا مسافر چشمِ تصور سے دیکھتا ہے کہ بیت اللہ شریف میں کائنات کے امام سید الاولین والآخرین محمد ﷺ نماز ادا کر رہے ہیں۔ وہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ طویل سجدہ کر رہے ہیں، جس میں اللہ کی تسبیحات کے ساتھ اس کی بڑائی بیان کر رہے ہیں، اس سے مدد مانگ رہے ہیں اور اسی شان سے لمبا قیام بھی کر رہے ہیں۔ ابو جہل اپنے کارندوں کے ساتھ بیت اللہ شریف کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا ہے۔ یوں تو وہ ہر دن آپ ﷺ کو تنگ کرنے کے منصوبے بناتا رہتا تھا مگر آج اس کی شیطانی سوچ میں بہت زیادہ طغیانی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا: ہے کوئی شخص جو فلاں محلے میں ذبح کیے جانے والے اونٹ کی اوجھڑی اٹھا لائے اور جب محمد (ﷺ) سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے، چنانچہ قوم کا بدبخت ترین شخص عقبہ بن ابی معیط اٹھتا ہے اور کہتا ہے: یہ کام میرے ذمہ رہا، پھر وہ اوجھڑی لینے کے لیے روانہ ہو جاتا ہے۔ قریش مکہ کی خانہ کعبہ کے اردگرد دکانیں تھیں۔ وہ وہیں بیٹھے کاروبار بھی کرتے اور اسلام کے خلاف منصوبے بھی بناتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ بدبخت شخص اوجھڑی لے کر آجاتا ہے اور اس انتظار میں ہے کہ آپ ﷺ کب سجدے میں جاتے
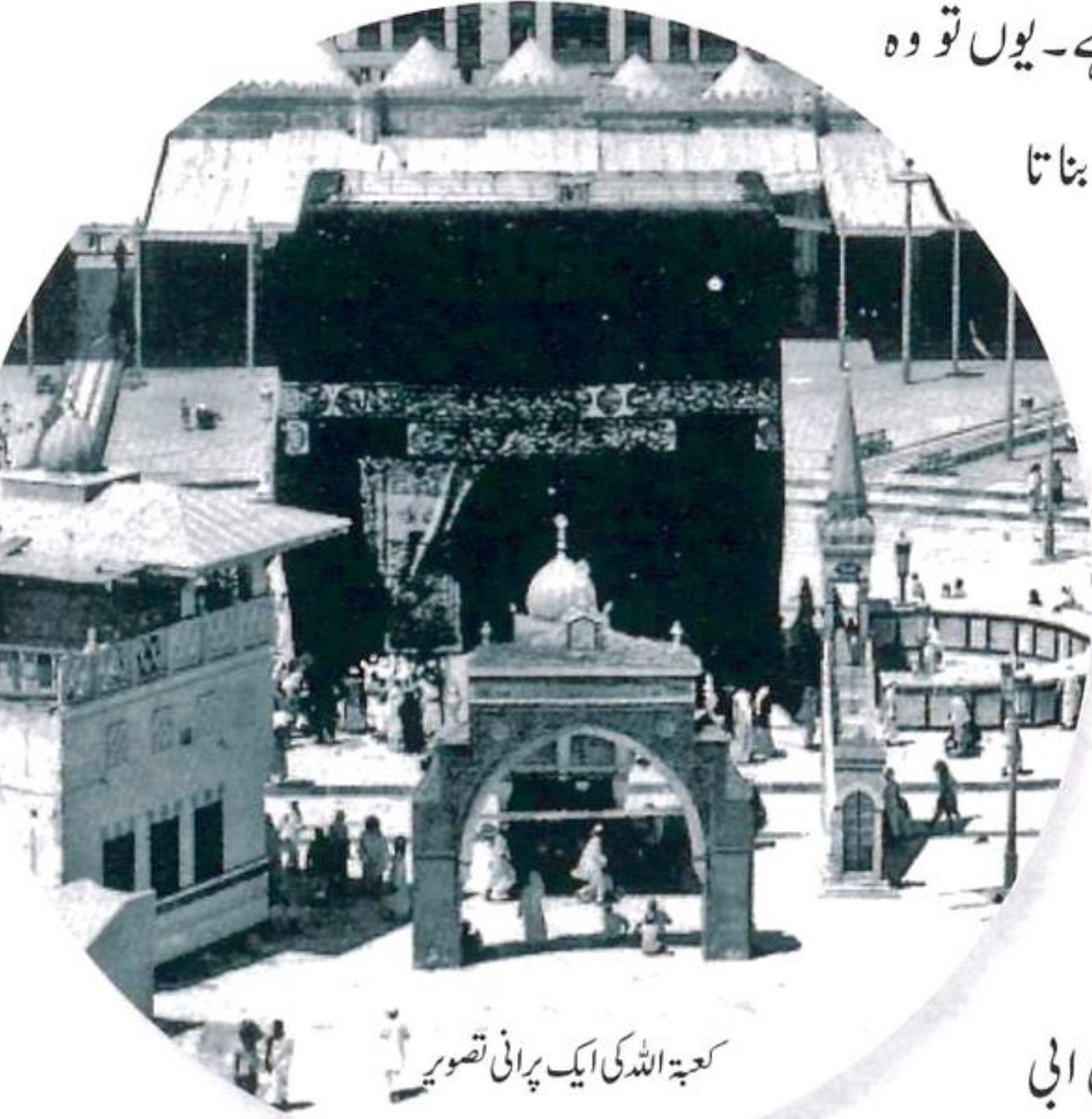
کعبۃ اللہ کی ایک پرانی تصویر

ہیں۔ وہ معصوم نبی جو بے حد پاکیزہ تھے۔ جن کے جسمِ اطہر سے خوشبو آتی تھی۔ جب وہ سجدے میں جاتے ہیں تو عقبہ بدبخت آپ ﷺ کی پیٹھ پر دونوں کندھوں کے درمیان وہ اوجھڑی ڈال دیتا ہے۔ آپ ﷺ سجدے سے اس وقت تک نہیں اٹھے جب تک یہ اوجھڑی ہٹا نہ لی گئی۔ مشرکین اس انتظار میں تھے کہ آپ ﷺ اٹھیں اور اوجھڑی سے نکلنے والے گوبر میں لت پت ہو جائیں، مگر آپ ﷺ نہیں اٹھے۔ وہاں کچھ مسلمان بھی تھے جو غلام تھے یا بالکل کمزور تھے۔ ان میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جو یہ منظر دیکھ رہے تھے مگر مکہ کا ماحول ان دنوں اس قدر خوفناک اور ظلم پرور تھا کہ وہ آپ ﷺ کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ قریش آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر تو ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو کر خوشی سے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔

> ”ایک سات سالہ معصوم سی بچی نہایت دلیری اور بہادری سے آگے بڑھی اور اپنے ننھے منے ہاتھوں سے اوجھڑی کو آپ ﷺ کی پشت سے ہٹایا“

اسی اثنا میں ایک سات سالہ معصوم سی بچی نہایت دلیری اور بہادری سے آگے بڑھتی ہے۔ اسے کسی نے اطلاع دی تھی کہ آپ کے بابا کو اذیت دی جا رہی ہے۔ وہ آتی ہے اور نہایت بے خوفی سے اپنے ننھے منے ہاتھوں سے اوجھڑی کو دھکیل کر آپ ﷺ کی پشت سے ہٹاتی ہے اور ساتھ ہی اپنے بابا کے ساتھ اس قسم کا سلوک کرنے والوں کو برا بھلا کہتی ہے۔ جب آپ ﷺ کے جسمِ اطہر سے اوجھڑی اترتی ہے تو آپ ﷺ اپنا سر مبارک اٹھاتے ہیں اور تین مرتبہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں: (اَللّٰهُمَّ! عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ) ”اے اللہ! تو قریش کو پکڑ لے۔“

پھر آپ ﷺ نام لے لے کر بددعا فرماتے ہیں:

(اَللّٰهُمَّ! عَلَيْكَ بِعَمْرِو بْنِ هِشَامٍ، وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَالْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ، وَعُمَارَةَ بْنِ الْوَلِيدِ)

”آپ ﷺ نے عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید سات بڑے بڑے مجرموں کا نام لے کر بددعا فرمائی کہ اے اللہ ان کو پکڑ لے۔“

تھوڑی دیر پہلے تماشا دیکھنے والے، مذاق اڑانے والے اور خوشی سے ایک دوسرے پر گرنے والے اب خوف زدہ ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ اس گھر (بیت اللہ) میں دعائیں قبول ہوتی ہیں (اگر اس شخص کی دعا قبول ہوگئی جو ہم سب سے بڑھ کر سچا اور امانت دار ہے تو پھر کیا ہوگا؟! بالآخر وہی ہوا جس کا انہیں ڈر تھا) یہ سارے مجرم بدر کے روز قتل کیے گئے اور ایک گندے اور اندھے کنویں میں پھینک دیے گئے[1]۔ نبی کریم ﷺ نے ان مقتولین سے خطاب فرمایا اور انہیں دعوت حق قبول نہ کرنے پر ملامت کی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: یہ مقتولین میری باتیں اچھی طرح سن رہے ہیں۔ یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا ورنہ مردے کسی کی بات سننے اور سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

[1] صحيح البخاري، حديث: 520.

قارئین کرام! مذکورہ بالا واقعے پر ذرا غور فرمائیں کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کتنی دلیر اور بہادر ہیں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں وہاں نہیں جاؤں گی، کہیں مشرک مجھے بھی مارنے نہ لگ جائیں۔ بلکہ وہ اپنے والد کے شانہ بشانہ کھڑی ہیں، ان کے جسم اطہر کو صاف کر رہی ہیں۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ نبی کریم ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ وہ نہایت بہادری سے آپ ﷺ کا دفاع اور مدد کر رہی ہیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ابوجہل کا طمانچہ

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک مرتبہ ابوجہل نے کسی بات پر طمانچہ مار دیا۔ یقیناً سیدہ کی حق گوئی اور شجاعت کی بنا پر اس بزدل نے ہاتھ اٹھایا ہوگا۔ سیدہ گھر آئیں تو اپنے والد محترم سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیٹی! جاؤ اور ابوجہل کے اس تھپڑ کے متعلق ابوسفیان کو بتاؤ۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان کے پاس تشریف لے گئیں اور اس کو بتایا۔ ابوسفیان کافر تھا مگر اس میں اخلاقی قدریں موجود تھیں۔ اس نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا، ابوجہل کے پاس پہنچا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سے ان کا بدلہ دلوایا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو جب اطلاع ملی تو آپ ﷺ کو اس پر فطری خوشی ہوئی۔ آپ ﷺ نے ابوسفیان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی اور وہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے۔ [1]

"ابوسفیان نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا، ابوجہل کے پاس پہنچا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سے ان کا بدلہ دلوایا"

[1] أنساب الأشراف: 5/14.

دعوت کے کام میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کردار

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا روزانہ یہ مناظر دیکھتی ہیں کہ کیسے ان کے والد محترم کو جادوگر، دیوانہ اور شاعر کہا جاتا ہے اور انہیں ظلم و زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے مگر وہ نہایت ثابت قدمی، جرأت اور بہادری سے آپ ﷺ کے دشمنوں کا مقابلہ کرتی ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی والدہ اور بہنوں کے ساتھ اپنے والد گرامی کو تسلی دیتی ہیں۔ جب وہ گھر تشریف لاتے ہیں تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پاس بیٹھ کر ان کی دل جوئی کرتی ہیں۔ اس طرح جہاں خود ان کی تربیت ہو رہی ہے وہاں وہ دین کی دعوت میں اپنا حصہ بھی ڈال رہی ہیں۔

شعب ابی طالب

شعب ابی طالب میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے والدین کے ساتھ موجود تھیں۔ یہ مدت چند دن یا چند ماہ پر مشتمل نہ تھی بلکہ اذیت اور تکلیف کے مسلسل تین سال تھے۔ یہ خاندان بنو ہاشم کا سوشل بائیکاٹ تھا۔ کھانے پینے کے لیے کچھ نہ تھا۔ بس ایک گھاٹی تھی جہاں کئی کئی دن کا فاقہ تھا۔ مگر سیدہ
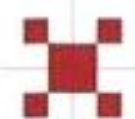
فاطمہ ﷞ خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ نہایت ثابت قدمی اور استقامت کے ساتھ اس مشکل دور کو جھیل رہی تھیں۔ دیکھا جائے تو وہ ایک شہزادی تھیں۔ کائنات کے امام کی بیٹی جن کو ان سے شدید محبت تھی۔ اگر اللہ چاہتا تو ان کو دنیا بھر کی نعمتیں میسر کر دی جاتیں۔ مگر اس گھرانے کی تربیت ہی فقر و فاقہ پر ہو رہی تھی۔ سیدہ فاطمہ ﷞ اپنے وقت کا اکثر حصہ والدین کی خدمت و دل جوئی اور اللہ کی عبادت میں گزار دیتیں۔

> ”سیدہ فاطمہ ﷞ اپنے وقت کا اکثر حصہ والدین کی خدمت و دل جوئی اور اللہ کی عبادت میں گزارتیں“

شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد سیدہ فاطمہ ﷞ کے لیے مشکل ترین وقت آتا ہے۔ ان کی والدہ ماجدہ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ الْعَالَمِینَ خدیجہ ﷞ زندگی کا سفر مکمل کر کے اپنے رب کے پاس چلی جاتی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس وقت ان کی عمر چھوٹی تھی۔ ماں کی شفقتوں اور محبتوں میں پلنے والی سیدہ فاطمہ ﷞ والدہ کی محبت سے محروم ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ اللہ کے آخری رسول ﷺ کا گھرانہ ہے۔ یہاں ہر حالت میں اللہ کا شکر اور اسی کی طرف رجوع دکھائی دیتا ہے۔ قضا و قدر پر راضی رہنے والی سیدہ فاطمہ ﷞ والدہ کی جدائی کے وقت بھی انا للہ وانا الیہ راجعون ہی کہتی ہیں اور پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد ان کے گھر میں سیدہ سودہ ﷞ ام المؤمنین بن کر آ جاتی ہیں۔ ان کی عمر زیادہ تھی اور اللہ کے رسول ﷺ کی شادی کا بڑا مقصد بھی یہی تھا کہ گھر میں ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ ﷞ موجود تھیں اور ان کی تربیت، دیکھ بھال اور دل جوئی کے لیے ایک سمجھ دار عورت کی ضرورت تھی، چنانچہ سیدات کو اپنی سوتیلی والدہ سے بہت پیار ملا اور انہوں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔

رسول اللہ ﷺ کے دفاع کے لیے سیدہ فاطمہ ﷞ کی بھرپور کوششیں

مکہ کی فضاؤں میں سیدہ فاطمہ ﷞ کے والد گرامی کو قتل کرنے کی تدابیر بروئے کار لائی جاتی ہیں مگر ان کو بچانے والا پوری حفاظت سے انہیں مدینہ منورہ پہنچا دیتا ہے۔ اس قسم کے واقعات سیدہ فاطمہ ﷞ کے ایمان اور یقین میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ انہیں یقین کامل ہوتا جاتا ہے کہ ان کا رب ان سے راضی ہے اور وہ کسی بھی حالت میں انہیں چھوڑنے والا نہیں ہے۔

مسند امام احمد بن حنبل میں سیدہ فاطمہ ﷞ کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ قریش کا ایک گروہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کو گھیر لیں اور یکدم حملہ کر کے ختم کر دیں۔ سیدہ فاطمہ ﷞ اس وقت کمسن تھیں۔ انہوں نے یہ منصوبہ سن لیا اور جا کر اپنے ابو کو بتا دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے مشن کی کامیابی کا اس قدر یقین تھا کہ ارشاد فرمایا: ''بیٹی! گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کر دے گا۔'' پھر سید المرسلین ﷺ گھر سے نکلے۔ آپ ﷺ کا رخ مسجد حرام کی طرف تھا۔ قریش کا ٹولہ وہیں بیٹھا تھا۔ آپ ﷺ نے زمین سے مٹھی بھر خاک اٹھائی اور ان کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: شَاهَتِ الْوُجُوهُ یعنی یہ چہرے بگڑ جائیں۔

مٹی ڈالتے ہی یہ معجزہ برپا ہوا کہ خاک جس جس کافر پر پڑی بدر کے دن اس کا نصیب بدر کا گندا کنواں تھا۔ ان کی نعشوں کو گھسیٹ کر اس میں پھینک دیا گیا۔[1] گستاخان رسول کا انجام یہی ہوتا ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ بچپن ہی سے نہایت بہادر اور جری تھیں۔ اپنے والد کا دفاع کرنے والی اور انہیں دشمن کی سازشوں سے آگاہ کرنے والی تھیں۔

① مسند أحمد: 303/1.

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت

اللہ کے رسول ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ بخیریت پہنچتے ہیں تو چند دن کے بعد ہی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اپنی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور امی سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ اس قافلے میں اسامہ بن زید، ام ایمن اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم کے تمام اہل خانہ بھی شامل تھے۔[1] سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب اپنے اہل خاندان کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچیں تو ان کے پہنچنے سے قبل ہی مسجد نبوی کے قریب ان کے لیے چھوٹے چھوٹے حجروں کا بندوبست ہو چکا تھا۔

① الهجرة النبوية المباركة للدكتور عبدالرحمن البر، ص: 128.

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مدینہ طیبہ میں موجودگی کے دوران ہی (2) ہجری میں غزوۂ بدر ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی ہے۔ وہاں ان کو اپنی بڑی بہن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی جدائی کا صدمہ بھی پہنچتا ہے۔ جن کا انتقال غزوہ بدر کے فوراً بعد ہوا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح

خاندان نبوت کے ساتھ رشتہ اور تعلق داری بڑے اعزاز کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا مگر آپ ﷺ نے دونوں میں سے ہر ایک کو یہ جواب دیا: (أَنْتَظِرُ بِهَا الْقَضَاءَ) ”میں فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا منتظر ہوں۔“ پھر ان دونوں نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کریں۔ انہوں نے تعجب سے کہا: ”کیا آپ دونوں کے بعد!“ مراد یہ تھی کہ جب آپ کو انکار رہا ہے تو مجھے ہاں کیسے ہوسکتی ہے؟

”میں فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا منتظر ہوں“

مگر ان دونوں نے انہیں ہمت دلائی اور کہا کہ آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ ضرور طلب کریں۔ کیونکہ آپ ان کے قریبی رشتے دار ہیں، آپ کو انکار نہیں ہوگا، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے رشتہ طلب کیا تو آپ ﷺ نے اس پر سکوت فرمایا۔[1]

① الطبقات لابن سعد: 19/8.

ایک دوسری روایت میں ہے کہ بعض انصار نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی ترغیب دی اور انہیں

اصرار کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت ادب واحترام سے اپنا مدعا پیش کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ أهلاً و سهلاً مرحباً اور پھر خاموش ہوگئے۔ ادھر انصار رضی اللہ عنہم باہر کھڑے انتظار کر رہے تھے کہ کیا جواب ملتا ہے۔ ان کی نیک خواہشات اور دعائیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ باہر آئے تو انصار نے ان سے پوچھا کہ تفصیل سے بتائیں کیا جواب ملا۔ جب انہوں نے آپ ﷺ کا جواب سنایا تو انصار نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مبارکباد دی کہ آپ ﷺ نے آپ کو اپنی فرزندی میں لے لیا ہے۔[1]

① سبل الهدى والرشاد: 40/11، والطبقات لابن سعد: 21/8.

"اے مہاجرین وانصار کی جماعت! ابھی جبریل علیہ السلام میرے پاس وحی لے کر آئے ہیں اور انہوں نے بھی اس رشتے کی توثیق کر دی ہے"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیغام اور خواہش کے بارے میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مشورہ ہوا اور انہوں نے بھی رضامندی کا اظہار کیا۔ ادھر زمین پر یہ فیصلہ ہو رہا تھا، ادھر آسمانوں پر بھی اللہ رب العزت نے اس فیصلے کی توثیق فرما دی۔ آپ ﷺ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: جاؤ! ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عبدالرحمٰن بن عوف اور دیگر صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کو بلا لاؤ۔ جب یہ سارے کبار صحابہ تشریف لے آئے تو ارشاد فرمایا: ''اے مہاجرین وانصار کی جماعت! ابھی جبریل علیہ السلام میرے پاس وحی لے کر آئے ہیں اور انہوں نے بھی اس رشتے کی توثیق کر دی ہے۔''[1]

① السيدة فاطمة الزهراء: 194/1، والدر المنثور في طبقات ربات الخدور: 493/1.

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام لائے تو آپ ﷺ نے پوچھا: ''تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے؟'' عرض کی: میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا: ''تمہاری ''حطمیہ'' نامی وہ زرہ کہاں ہے جو میں نے تمہیں دی تھی؟'' عرض کیا: وہ میرے پاس موجود ہے۔ ارشاد فرمایا: ''وہ مہر میں فاطمہ کو دے دو۔''[1] زرہ کی بازار میں قیمت 400 درہم اور بعض روایات کے مطابق 480 درہم لگی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر یہی تھا۔

① الإصابة: 264/8، وسنن أبي داود، حديث: 2125.

سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس زرہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خریدا اور جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قیمت ادا کر دی تو زرہ کو اپنے قبضے میں لیا اور بعد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بطور تحفہ واپس دے دی۔[1]

① السيرة الحلبية: 69/4.

راقم کے نزدیک اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ اب وہ ایک دوسرے کے ہم زلف بھی بن گئے تھے۔ اور یہ محبت اور پیار کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ وہ منظر کتنا خوبصورت اور شاندار ہوگا کہ جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نکاح سيدة نساء أهل الجنة فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کیا جا رہا ہوگا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام لائے تو آپ ﷺ نے پوچھا: ''تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے؟'' عرض کی: میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا: ''تمہاری ''حطمیہ'' نامی وہ زرہ کہاں ہے جو میں نے تمہیں دی تھی؟'' عرض کیا: وہ میرے پاس موجود ہے۔ ارشاد فرمایا: ''وہ مہر میں فاطمہ کو دے دو۔''[1] زرہ کی بازار میں قیمت 400 درہم اور بعض روایات کے مطابق 480 درہم لگی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر یہی تھا۔

① الإصابة: 264/8، وسنن أبي داود، حديث: 2125.

اللہ کے رسول ﷺ نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں نے چار سو مثقال چاندی کے مہر پر فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے تمہارا نکاح کر دیا ہے۔ (یہ رقم تقریباً 280 درھم بنتی ہے) کیا تمہیں قبول ہے؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''قبول ہے۔'' اس کے بعد سرور کائنات ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی اور پیارے داماد کے لیے یوں دعا فرمائی:

(اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ فِيهِمَا وَبَارِكْ عَلَيْهِمَا وَبَارِكْ لَهُمَا فِي نَسْلِهِمَا)

''اے اللہ! ان دونوں میں، ان دونوں پر اور ان کی نسل میں برکت عطا فرما۔''

اس موقع پر حاضرین کی شہد کے شربت اور کھجوروں سے تواضع کی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مہر کی رقم سے کچھ حصہ گھریلو اشیاء اور خوشبو پر صرف کر دو۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 22,21/8.

شادی کی تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے۔ مختلف سیرت نگاروں نے مختلف تواریخ لکھی ہیں۔ اکثریت کے مطابق شادی غزوۂ بدر کے بعد ہوئی اور رخصتی عقد نکاح کے چار ماہ یا چھ ماہ بعد ہوئی۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی یہ پہلی شادی تھی اور انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کی کچھ مزید تفصیل

آیئے ذرا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے حالات کا جائزہ لیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سرور کائنات ﷺ کی سب سے پیاری اور لاڈلی بیٹی تھیں۔ اگر آپ چاہتے تو انکے لیے بہت قیمتی جہیز میسر ہوسکتا تھا۔ جب ان کا نکاح ہوا اس وقت مدینہ کی ریاست قائم ہو چکی تھی۔ غزوۂ بدر ہو چکا تھا۔ مشرکین مکہ کی طاقت پاش پاش ہوچکی تھی۔ پورا عرب آپ ﷺ سے مرعوب تھا۔ گردوپیش کے علاقوں میں آپ ﷺ کا اثر ورسوخ پھیل چکا تھا۔ حالات انتہائی شاندار مستقبل کا پتہ دے رہے تھے۔ لیکن ذرا غور کریں کہ اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنی لاڈلی بیٹی کو جہیز میں کیا دیا؟ یہ شادی خاندان نبوت کی سادگی کی بہت بڑی مثال تھی۔ اس شادی پر غور کریں تو خاندان نبوت رضی اللہ عنہم اجمعین کے اندازِ حیات کے تمام پہلو کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ آپ نے سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ کو جہیز میں کیا دیا؟

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا جہیز

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو جہیز دیا گیا وہ نہایت سادہ اور مختصر تھا۔ ہر چند کہ اس وقت بدر کی غنیمت کا مال بھی آ چکا تھا۔ پہلے والی تنگی کا دور نہ تھا۔ اگر آپ ﷺ اشارہ کرتے تو آپ کے جاں نثار سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کے لیے سامان کا ڈھیر لگا دیتے۔ لیکن اس گھرانے میں سادگی تھی، شرافت تھی، تواضع تھی اور غریبوں کے ساتھ ہمدردی تھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو سامان دیا گیا اس میں: ① مصری کپڑے کا ایک بستر جس میں اون بھری گئی تھی۔ ② ایک منقش پلنگ یا تخت۔ ③ چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری گئی تھی۔ ④ مٹی کے دو برتن یا ایک گھڑا۔ ⑤ ایک مشکیزہ۔ ⑥ ایک پیالہ۔ ⑦ ایک چکی آٹا یا ستو وغیرہ پیسنے کے لیے۔ ⑧ ایک جائے نماز۔ ⑨ دو چادریں۔ ⑩ اور چاندی کے دو بازو بند شامل تھے۔[1]

① ان اشیاء کا ذکر مختلف روایات میں ملتا ہے۔ الطبقات الکبریٰ: 25/8، سنن ابن ماجه، حديث: 1119، و مسند أحمد: 108/1،107/1،104/1،92/1.

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

امام طبرانی نے سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی روایت بیان کی ہے، وہ کہتی ہیں:

''جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دلہن بنا کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنے کا موقع تھا تو ہمیں گھر میں ایک چٹائی، ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک جگ نما برتن کے سوا کچھ نہ ملا۔ جب وہ شوہر کے گھر پہنچ گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی لخت جگر کی طرف پیغام ارسال کیا کہ بیٹی! اپنی نئی زندگی شروع کرنے سے پہلے میرا انتظار کرنا۔ جب آپ ﷺ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رہائش گاہ پر پہنچے تو پوچھا: ''کیا میرا بھائی (علی) گھر میں موجود ہے؟'' ام ایمن رضی اللہ عنہا جو حبشیہ تھیں اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی والدہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صالحہ اور سمجھ دار خاتون بھی تھیں، انہوں نے پوچھ لیا: اللہ کے رسول!

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیک وقت آپ کے بھائی اور داماد کیسے ہو سکتے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے چونکہ مؤاخات مدینہ کے موقع پر اپنی مؤاخات سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے قائم کی تھی۔ اس تناظر میں فرمایا: ام ایمن! کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے ایک برتن میں پانی منگوایا، پھر جو اللہ نے چاہا پڑھتے رہے اور پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا شدت حیا کے باعث بمشکل چلتی ہوئی حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ نے پانی ان پر چھڑک دیا اور فرمایا: بیٹی! میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان کے بہترین شخص سے کی ہے۔ اچانک پردے کے پیچھے آپ ﷺ کو انسانی ہیولا نظر آیا۔ آپ نے سوال کیا: کون ہے؟ خاتون نے کہا: یارسول اللہ! میں اسماء بنت عمیس ہوں۔

> آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی! میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان کے بہترین شخص سے کی ہے

فرمایا: اسماء! تم میری خاطر فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس آئی ہو؟ عرض کی: یارسول اللہ! کوئی لڑکی جب دلہن بن کر آتی ہے تو اقارب میں سے ایک خاتون کا اس کے پاس ہونا بہت اچھا رہتا ہے۔ وہ اس کی ضروریات پوری کر دیتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اُن کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں سمجھتی ہوں کہ میرا یہ عمل بہت ہی قیمتی اور پسندیدہ تھا۔''[1]

① المعجم الكبير للطبراني: 137/24.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میری سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی تو ہمارے پاس ایک مینڈھے کی کھال کے سوا کوئی بستر نہ تھا۔ ہم رات کو اس پر سوتے اور دن کو اس میں اونٹ کا چارہ باندھ کر لاتے۔ ہمارے پاس کوئی خادم بھی نہ تھا۔''[1]

① الطبقات لابن سعد: 22/8.

سیدہ فاطمہ ؓ کی رہائش گاہ

سیدنا علی ؓ اپنی شادی سے قبل نبی کریم ﷺ کے پاس ہی رہائش پذیر تھے۔ جب شادی کی بات چلی تو علیحدہ گھر کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جو گھر ملا وہ آپ ﷺ کے گھر سے قدرے دور تھا۔ آپ ﷺ کی اور سیدہ فاطمہ ؓ کی بھی خواہش تھی کہ گھر قریب ہوتا کہ آنے جانے میں آسانی رہے۔ حارثہ بن نعمان ؓ انصاری صحابی تھے۔ ان کے پاس مدینہ طیبہ میں کئی ایک گھر تھے، جن میں سے چند مسجد نبوی کے قریب بھی تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے مختلف دینی مقاصد کے لیے یکے بعد دیگرے کئی مکان پیش کیے۔ ایک دن سیدہ فاطمہ ؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: ابا جان! حارثہ بن نعمان ؓ سے بات کریں، ان کے کئی مکان اب بھی مسجد نبوی کے قریب ہیں، وہ ایک مکان میرے لیے خالی کر دیں۔ ارشاد ہوا: ''اب تو حارثہ سے مکان طلب کرتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔'' سیدہ فاطمہ ؓ والد گرامی کا اشارہ پا کر خاموش ہو گئیں۔

ادھر کسی طرح سیدنا حارثہ ؓ کو آپ ﷺ کی خواہش کا علم ہو گیا......اور پھر محبت اسی کو کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے سب مکانات آپ کے لیے حاضر ہیں۔ میرے یہ گھر بنونجار کے گھروں میں سے آپ کے گھر کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔

طبقات ابن سعد میں حارثہ بن نعمان ؓ کے بڑے عمدہ الفاظ یوں بیان ہوئے ہیں:

(هٰذِهِ مَنَازِلِي وَهِيَ أَسْقَبُ بُيُوتِ بَنِي النَّجَّارِ بِكَ، وَإِنَّمَا أَنَا وَمَالِي لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ. وَاللّٰهِ! يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اَلَّذِي تَأْخُذُ مِنِّي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِي تَدَعُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: صَدَقْتَ وَبَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ)

''یا رسول اللہ! یہ میرے مکانات ہیں جو بنونجار کے گھروں میں سے آپ کے گھر سے قریب ترین واقع ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں اور میرا تمام مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہے۔ یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! آپ میری جو جائداد قبول فرمالیں گے وہ مجھے اپنے پاس موجود اموال سے زیادہ محبوب ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حارثہ! تم نے سچ کہا ہے، اللہ تمہیں برکتیں عطا فرمائے۔''

اس طرح سیدہ فاطمہ ؓ کا گھر آپ ﷺ کے گھر کے قریب تر ہو گیا۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 8/166.

مدینہ منورہ کی ایک پرانی تصویر

غزوۂ احد میں شرکت

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ غزوۂ احد کا موقع آ گیا۔ قارئین کرام بخوبی جانتے ہیں کہ کافروں کو جنگ میں جوش دلانے کے لیے قریش کی (14) عورتیں بھی آئی تھیں اور شمشیر زنی اور مار دھاڑ کے لیے فوجیوں کے جذبات کو برانگیختہ کر رہی تھیں۔

اسلام میں عورتوں کا جہاد کے لیے نکلنا اور مردوں کے شانہ بشانہ لڑائی کرنا مستحسن نہیں مگر جب مشکل وقت آئے تو اس وقت مسلمان عورتیں بھی اپنا محدود کردار ادا کر سکتی ہیں۔ غزوۂ احد میں دن کے آخری حصے میں مدینہ طیبہ میں یہ افواہ پہنچ چکی تھی کہ آپ ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ جنگ کے خاتمے کے بعد کچھ مسلمان خواتین میدان جنگ میں پہنچیں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا اور (اپنی والدہ) ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ پنڈلی کی پازیب تک کپڑے چڑھائے پیٹھ پر پانی کے مشکیزے لا رہی تھیں اور زخمیوں کو پلا رہی تھیں۔ انہی خواتین میں سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ [1]

① صحيح البخاري، حديث: 2880.

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے خوب معلوم ہے کہ احد کے میدان میں آپ ﷺ کا زخم کس نے دھویا، پانی کس نے بہایا اور علاج کس چیز سے کیا گیا؟ پھر خود ہی ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: ''آپ ﷺ کی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا زخم دھو رہی تھیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی بہا رہے تھے اور جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی کے سبب خون بڑھتا ہی جا رہا ہے تو انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے جلا کر چپکا دیا جس سے خون رک گیا۔'' [1] اس طرح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے میدان جنگ میں عملی طور پر شرکت فرمائی اور اپنے والد گرامی کو طبی امداد بہم پہنچائی۔

① صحيح البخاري، حديث: 4075.

احد کے دامن میں واقع مسجد شہدا اور پہاڑ پر موجود مسجد الفسح کا منظر، مجاہدین نے غزوہ احد میں اس مقام پر نماز ادا کی تھی

میاں بیوی کی مثالی زندگی

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بہت زیادہ عزت اور احترام کرتے تھے۔ بلاشبہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی اور پیاری بیٹی تھیں۔ خاتون جنت تھیں۔ ادھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تربیت کرتے اور ان سے فرماتے کہ اپنے شوہر کی ہر طرح اطاعت اور فرماں برداری کریں۔ کبھی کبھار گھر میں کوئی بات ہو ہی جاتی ہے مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اگر اس گھر میں کبھی کوئی مسئلہ پیدا ہوا تو اس کا حل کس خوب صورتی سے تلاش کیا گیا۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کوئی بات ہو گئی اور وہ مسجد نبوی کے صحن میں آ کر لیٹ گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو اپنی بیٹی کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا: بیٹی! تمہارا چچا زاد کہاں گیا؟ انہوں نے عرض کی: وہ مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ اب مسجد نبوی کی طرف تھا۔ دیکھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ زمین پر لیٹے ہوئے ہیں۔ چادر اتر جانے کی وجہ سے ان کی پشت پر مٹی لگی ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنے داماد کے جسم سے بڑی محبت سے مٹی جھاڑی اور مسکراتے ہوئے فرمایا: ’قُمْ أَبَا تُرَابٍ!‘ ”ابوتراب! کھڑے ہو جاؤ۔“ وہ کھڑے ہو گئے۔ اپنے آقا کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھا تو گھر کی ساری بات بھول گئے، البتہ وہ لقب جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا اسے ہمیشہ یاد رکھا اور اتنا پسند کیا کہ ان کا سب سے پسندیدہ لقب یہی ٹھہرا۔ [1]

① صحيح مسلم، حديث: 2409.

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد

”سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹی کے گھر گئے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے حسن رضی اللہ عنہ کو گھٹی دی“

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کو ایک ہی سال گزرا تھا کہ ان کے آنگن میں ایک خوبصوت پھول کھلا۔ یہ ہجرت کا تیسرا سال تھا جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی پیدائش ہوئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نواسے کی آمد سے بڑی خوشی ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے گھر تشریف لے گئے اور بچے کو اپنے مبارک ہاتھوں سے گھٹی دی۔ اس طرح دست رسالت مآب کی برکت سے حکمت، دانائی، علم اور تقویٰ ان کے جسم میں داخل ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نومولود کا نام حسن رکھا۔ ساتویں دن سیدنا حسن کے سر کے بال اتروائے گئے اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی فقراء میں تقسیم کی گئی۔ [1]

① جامع الترمذي، حديث: 1519.

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دوسرے بیٹے سیدنا حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی پیدائش شعبان 4 ہجری میں ہوئی۔ ان کے علاوہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ایک صاحبزادے محسن رضی اللہ عنہ اور دو بیٹیاں سیدہ زینب اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما تھیں۔ آپ ﷺ کو ان سب سے بہت محبت تھی۔ ان کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں جن میں سے بعض ہم آگے جا کر تفصیل سے ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تربیت

احادیث اور روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو نہایت درجہ محبوب تھیں، مگر اس کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ ان سمیت اپنے تمام رشتہ داروں کو اس بات کی تلقین فرماتے تھے کہ وہ لوگ آپ ﷺ کے بھروسے پر نہ رہیں بلکہ اللہ کے ہاں نجات پانے کے لیے پیہم کوشش جاری رکھیں اور ہمہ وقت مصروف عمل رہیں۔

"اے جماعت قریش! اپنے آپ کو بچاؤ اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا"

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں: چونکہ ہماری نسبت فلاں شخصیت کے ساتھ ہے، ہم ان کے قریبی ہیں، ان کی اولاد میں سے ہیں اور یہاں تک کہ ہم ان کے مرید ہیں، وہ ہمیں چھڑا لیں گے، اس لیے ہمیں اللہ کی عبادت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

مگر جب ہم سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے حالات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نماز تہجد پڑھنے کی ترغیب دلائی۔

سنن نسائی میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور میاں بیوی سے پوچھا: کیا تم

دونوں تہجد نہیں پڑھا کرتے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب ہمیں اٹھانا چاہے گا اٹھا لے گا۔ آپ ﷺ اس پر رنجیدہ خاطر ہوئے اور اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے لوٹ آئے۔ آپ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے:

﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ "انسان سب سے بڑھ کر جھگڑالو واقع ہوا ہے۔"[1]

---

[1] سنن النسائي، حديث: 1613.

قارئین کرام! ذرا غور فرمائیں رسول اللہ ﷺ اپنی پیاری اولاد کو نماز تہجد کی تلقین فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی تمام تر محبت کے باوجود اپنی بیٹی اور دوسرے رشتہ داروں سے یہ فرمایا کہ انہیں اعمال صالحہ انجام دینا ہوں گے، تقویٰ کی راہ اختیار کرنا ہوگی اور اپنی نجات کے لیے کوشش کرنا ہوگی۔ اسی لیے ایک دن آپ ﷺ نے اپنے رشتے داروں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اِشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ! لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ! لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ! سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

"اے جماعت قریش! اپنے آپ کو بچاؤ اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے بنی عبد مناف! اے عباس بن عبدالمطلب! اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! میں اللہ کے ہاں تمہارے کام نہیں آؤں گا۔ اے فاطمہ بنت محمد! میرے مال میں سے جتنا چاہو مانگ لو لیکن اللہ کے ہاں میں تمہارے کام نہیں آؤں گا۔"[1]

اللہ کے رسول ﷺ تو اپنی بیٹی کی تربیت تقویٰ اور عبادت پر کر رہے ہیں۔ دنیا کے مال ومتاع کی نہیں بلکہ فقر کی ترغیب دلا رہے ہیں۔

[1] صحيح البخاري، حديث: 4771.

فاطمہ بیٹی! کیا تمہیں اچھا لگے گا کہ لوگ کہیں: رسول اللہ (ﷺ) کی بیٹی اور اس کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر؟

ذرا اس واقعے کو پڑھیں اور غور فرمائیں کہ کائنات کے امام نے اپنی بیٹی کو کس طرح ترغیباتِ دنیا سے دور رہنے کی تلقین کی اور اختیارِ فقر کی راہ دکھلائی۔ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سیدنا ثوبان ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ سیدہ فاطمہ ؓ کے گھر تشریف لے گئے، میں بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ سیدہ فاطمہ ؓ کے ہاتھ میں سونے کی زنجیر تھی۔ کہنے لگیں: یہ زیور مجھے ابوالحسن (سیدنا علی بن ابی طالب ؓ) نے لا کر دیا ہے۔

قارئین کرام! تربیت اسے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(يَا فَاطِمَةُ! أَيَسُرُّكِ أَنْ يَّقُولَ النَّاسُ: اِبْنَةُ رَسُولِ اللّٰهِ(ﷺ) وَفِي يَدِهَا سِلْسِلَةٌ مِنْ نَارٍ؟ ثُمَّ خَرَجَ وَلَمْ يَقْعُدْ. فَعَمَدَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا بِالسِّلْسِلَةِ إِلَى السُّوقِ فَبَاعَتْهَا، فَاشْتَرَتْ بِهَا غُلَامًا فَأَعْتَقَتْهُ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي نَجّٰى فَاطِمَةَ مِنَ النَّارِ)

"فاطمہ بیٹی! کیا تمہیں اچھا لگے گا کہ لوگ کہیں: رسول اللہ (ﷺ) کی بیٹی اور اس کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر؟ آپ ﷺ نے یہ فرمایا اور تشریف رکھے بغیر جلدی سے نکل گئے۔ سیدہ فاطمہ ؓ نے (والد گرامی کی یہ ناگواری دیکھی تو) فوراً اس ہار کو بازار میں فروخت کے لیے بھیج دیا۔ اس کی قیمت سے ایک غلام خریدا اور اسے اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ جب اللہ کے رسول ﷺ کو معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا: "اس اللہ کا شکر ہے جس نے فاطمہ (ؓ) کو آگ سے نجات عطا کر دی ہے۔"[1]

[1] المستدرك للحاكم: 3/154.

غلام سے بہتر تحفہ

شادی کے بعد سیدہ فاطمہ ؓ کی زندگی بہت سادگی، مکمل خوشی اور کامل سکون سے گذری۔ وہ گھر کے سب کام خود کرتیں، چکی پیستیں، روٹی پکاتیں۔ گھر کی صفائی اور کپڑے دھونے کے لیے کوئی نوکر یا غلام نہ تھا۔ چکی پیستے پیستے جب ان کے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے تو سیدنا علی ؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز سیدہ نے مجھ سے اس صورت حال کا تذکرہ کیا۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ غلام آئے تو سیدہ فاطمہ ؓ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں مگر آپ ﷺ گھر پر موجود نہ تھے۔ سیدہ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ ؓ سے سارا ماجرا ذکر کیا اور واپس تشریف لے گئیں۔ جب رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے تو ام المؤمنین نے سیدہ فاطمہ کی تشریف آوری اور ان کے حالات سے آپ ﷺ کو مطلع کیا۔

سیدنا علی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے گھر اس وقت تشریف لائے جب ہم سونے کے لیے بستروں پر لیٹ چکے تھے۔ مجھے اللہ کے رسول ﷺ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو میں آپ کے استقبال کے لیے اٹھنے لگا، مگر آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی اپنی جگہ لیٹے رہیے۔ آپ ﷺ نہایت بے تکلفی سے ہم دونوں کے درمیان تشریف فرما ہو گئے حتی کہ آپ کے قدموں کی

ٹھنڈک میں نے اپنی چھاتی میں محسوس کی۔ آپ ﷺ نے نہایت محبت وشفقت سے فرمایا: میں تمہیں ایک ایسا تحفہ نہ دوں جو تمہارے لیے خادم سے کہیں بہتر ہے:

''جب تم سونے کے لیے بستر پر لیٹو تو (33) مرتبہ سبحان اللہ، (33) مرتبہ الحمد للہ اور (34) مرتبہ اللہ اکبر کہو۔ یہ تمہارے لیے غلام سے کہیں بہتر ہے۔''①

① صحيح البخاري، حديث:3705 .

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ ؓ سے شدید محبت کے باوجود انہیں خادمہ یا غلام نہیں دیا۔ وہ ان کو عزیمت اور سادگی کا درس دینا چاہتے تھے اور امت محمدیہ کے لیے انہیں مثال بنانا چاہتے تھے۔ اگر آپ ﷺ غلام یا لونڈی دے بھی دیتے تو بھی درست تھا۔ مگر آپ نے اپنی بیٹی اور داماد کی سوچ اور فکر دنیاوی مال ومنال سے ہٹا کر توکل علی اللہ اور اللہ تعالیٰ ہی سے ہر حال میں مدد طلب کرنے کی طرف مبذول کروانے کو ترجیح دی۔

حدود اللہ کی پاسداری

ذرا وہ واقعہ بھی ذہن میں لائیں کہ جب بنو مخزوم خاندان کی فاطمہ نامی عورت نے چوری کی اور مقدمہ آپ ﷺ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ بنو مخزوم ابو جہل کا خاندان تھا۔ سیدنا خالد بن ولید ؓ اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ سیدہ ام سلمہ ؓ بھی اسی خاندان سے تھیں۔ یہ قریشی خاندان تھا۔ مگر انسان ہونے

کے ناطے غلطی ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ جب مقدمہ آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو قریش نے سفارشی تلاش کیے۔ ان سب کی نظر اس شخصیت پر جا رکی جس سے اللہ کے رسول ﷺ نہ صرف نہایت محبت کرتے تھے بلکہ اپنی اولاد کی طرح چاہتے تھے۔ یہ سیدنا اسامہ بن زید ؓ تھے۔ جب انہوں نے فاطمہ مخزومیہ کی سفارش کی تو ارشاد ہوا:

﴿أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ ...... وَأَيْمُ اللّٰهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا﴾

''اسامہ! کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو؟! اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کا ارتکاب کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''①

① صحيح البخاري، حديث:3475 .

" اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کا ارتکاب کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا "

قارئین کرام! دنیا کی تمام چیزوں سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرنا انبیاء کا شیوہ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی اولاد کو بھی دنیا کی تمام محبتوں سے بڑھ کر اللہ کی محبت سکھلائی اور خود رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کو دیکھیں تو نظر آتا ہے کہ راتوں کو عبادت میں کھڑے کھڑے آپ ﷺ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے۔ جب سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اتنی محنت کیوں کرتے ہیں، آپ کے تو اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے گئے ہیں؟ تو ارشاد فرمایا: (أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟) ''(جب اللہ نے مجھ پر اس قدر مہربانی فرمائی ہے) تو میں اس کا شکر گزار بندہ کیوں نہ بنوں؟''①

① صحيح مسلم، حديث:2820.

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب

اللہ تعالیٰ نے خاتون جنت کو جن فضائل ومناقب سے نوازا تھا ان کی مثال نہیں ملتی۔ صداقت وراست گوئی میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کوئی جواب نہیں تھا، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”میں نے امت محمدیہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو راست گو نہیں دیکھا۔“ [1]

① المستدرك للحاكم: 161/3.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اور حدیث میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح خراج تحسین پیش کرتی ہیں:

”میں نے امت محمدیہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو راست گو نہیں دیکھا“

”میں نے نشست وبرخاست، عادات وخصائل، طرز گفتگو اور انداز کلام میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ زندگی کے تمام معاملات میں آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی کرتی تھیں۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ﷺ وفور محبت میں کھڑے ہوجاتے اور اپنی بیٹی کو بوسہ دیتے۔“ [1]

① صحیح ابن حبان: 377/21، الأدب المفرد.

قارئین کرام! ذرا غور فرمائیں کہ اس گھرانے میں کس قدر پیار ومحبت ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کی سوتیلی ماں تھیں مگر کس

طرح وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تعریف اور فضائل بیان کررہی ہیں۔ میں کئی مرتبہ سوچتا ہوں کہ لوگ نجانے کس قسم کی باتیں بناتے رہتے ہیں۔ خاندان نبوت کی ان خواتین کے درمیان تو بے مثال پیار تھا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حجۃ الوداع

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نند اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بہن سیدہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فتح مکہ میں شریک تھیں۔

جہاں تک حجۃ الوداع کا تعلق ہے تو اس بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ وہ اس حج میں شریک تھیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے نجران سے قربانی کے اونٹ لینے کے لیے بھیجا تھا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حج کے سفر میں اپنے والد گرامی کے ساتھ تھیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق مکہ پہنچ کر عمرہ کیا اور پھر احرام اتار دیا۔ گویا انہوں نے حج تمتع ادا کیا۔ اسی دوران سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی قربانی کے جانور لیے احرام باندھے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ رہائش گاہ پر تشریف لائے تو دیکھا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے احرام اتار دیا ہے۔ ابھی حج میں چند دن باقی تھے۔ انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ اے بنت رسول! یہ کیا؟ جواب دیا کہ مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ [1]

① مسند أحمد: 320/3.

میدان عرفات میں جبل رحمت کا ایک منظر
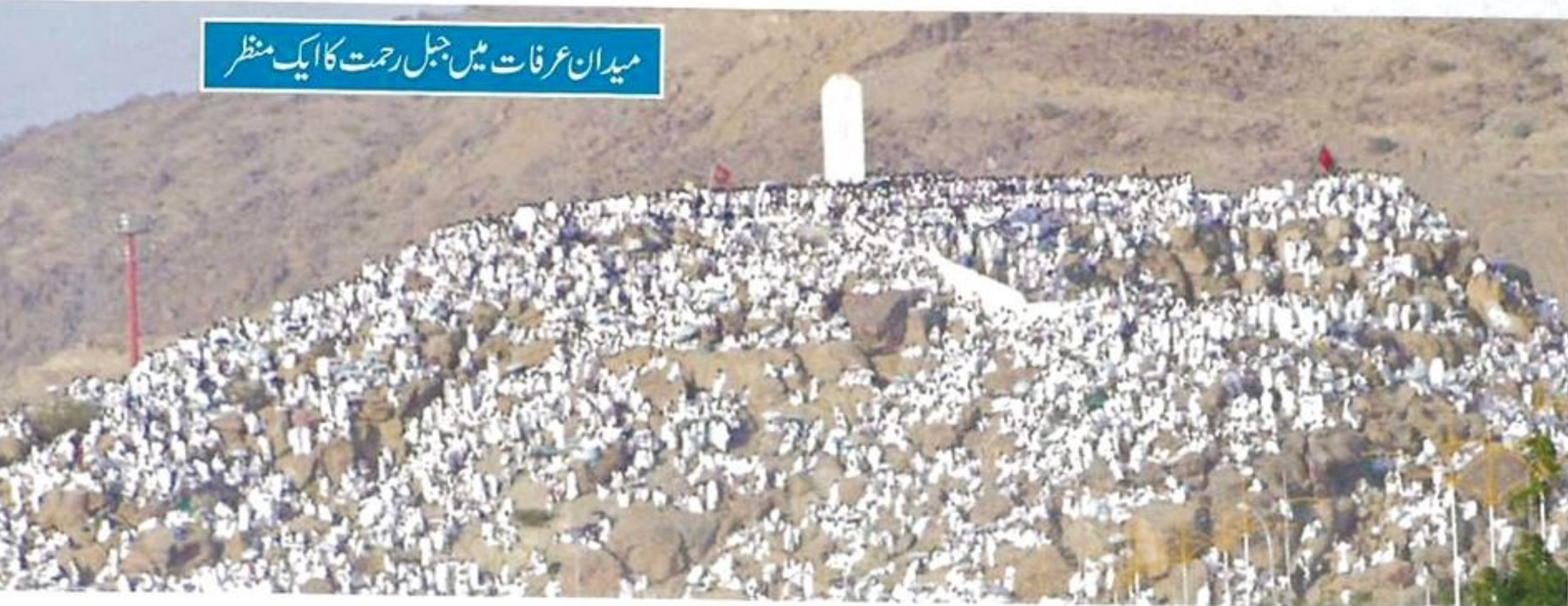
جگر گوشۂ رسول ﷺ

اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي فَمَنْ أَغْضَبَهَا فَقَدْ أَغْضَبَنِي)

''فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔''[1] اور ایک دوسری روایت میں یوں ارشاد ہے:

(فَإِنَّمَا هِيَ بَضْعَةٌ مِنِّي يُرِيبُنِي مَا أَرَابَهَا وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا)

''فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس چیز سے اسے پریشانی ہوتی ہے اس چیز سے مجھے بھی پریشانی ہوتی ہے اور جس چیز سے اسے تکلیف پہنچتی ہے اس چیز سے مجھے بھی تکلیف پہنچتی ہے۔''[2]

[1] صحيح البخاري، حديث: 3714. [2] صحيح البخاري، حديث: 5230.

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اپنے والد گرامی کے گھر آنا جانا رہا کرتا تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے قریب ہی ان کا گھر تھا۔ یہ واقعہ آپ ﷺ کی وفات سے تھوڑے دن پہلے کا ہی ہے کہ ایک دفعہ وہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایسے دن میں تشریف لائیں، جب اللہ کے رسول ﷺ کی ان کے ہاں باری تھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (مَرْحَبًا بِابْنَتِي) ''میری بیٹی! خوش آمدید۔'' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے دائیں یا بائیں طرف بیٹھ گئیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کان میں سرگوشی کی تو وہ رونے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد

آپ ﷺ نے دوبارہ کان میں کچھ فرمایا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خوشی سے ہنسنے لگیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پہلے رونا اور پھر اچانک ہنسنا ان کے لیے باعث تعجب تھا، چنانچہ انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا بات ہے؟ میں نے اس سے پہلے کبھی ایک ہی وقت میں آپ کو روتے اور ہنستے نہیں دیکھا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: یہ میرے والد کا راز ہے، میں اسے ظاہر نہیں کروں گی۔ کچھ ہی دنوں بعد سرور کائنات ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ایک دن دونوں ماں بیٹی اکٹھی تھیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تجسس تھا کہ اس دن کیا بات ہوئی تھی۔ انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھ لیا کہ اس روز بیک وقت رونے اور ہنسنے کا کیا سبب تھا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اب چونکہ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں، اس لیے میں ساری بات بتا دیتی ہوں۔

> ''میں نے امت محمدیہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو راست گو نہیں دیکھا''

پہلی مرتبہ جب آپ ﷺ نے میرے کان میں سرگوشی کی تو اپنی وفات کا وقت قریب آ جانے کی خبر دی۔ میں نے جب اپنے والد کی جدائی کی بات سنی تو شدت غم سے رونے لگی۔ دوسری مرتبہ جب آپ ﷺ نے میرے کان میں سرگوشی کی تو ارشاد فرمایا: ''بیٹی! میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم مجھ سے آن ملو گی۔ کیا تمہیں پسند نہیں کہ اہل جنت کی تمام عورتوں کی سرداری تمہارے پاس ہو۔ جب میں نے یہ سنا تو ہنسنے لگی۔''[1]

[1] صحيح البخاري، حديث: 6286.

قارئین کرام! سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مناقب یقیناً بہت زیادہ ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی بہت زیادہ لاڈلی اور پیاری تھیں۔ اوپر ہم نے متعدد ایسے واقعات ذکر کیے ہیں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو کس قدر محبوب تھیں۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا مسئلہ اہل سنت و جماعت کی کتابوں، خطباء اور واعظین کی تقاریر میں بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ ان کے (أَفْضَلُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ) ہونے میں کسی صحیح العقیدہ شخص کو کوئی شک نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کو ان سے شدید محبت تھی۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ جو اسے تکلیف دے گا وہ مجھے تکلیف دے گا۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کے بارے میں اس طرح گواہی دی: ''میں نے نبی کریم ﷺ کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر اور کسی کو راست گو نہیں دیکھا''۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک تابعی بزرگ نے پوچھا: ''اللہ کے رسول ﷺ سب سے زیادہ کسے محبوب رکھتے تھے؟'' ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''عورتوں میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور مردوں میں ان کے شوہر کو۔''[1]

① المستدرك للحاكم: 157/3.

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ جو اسے تکلیف دے گا وہ مجھے تکلیف دے گا''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، آسیہ بنت مزاحم (زوجۂ فرعون) اور مریم بنت عمران (رضی اللہ عنہن) ہیں۔''[1]

① مسند أحمد: 293/1.

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سفرِ آخرت

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت انتیس سال تھی جب سرورِ دو عالم ﷺ کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ انہیں اپنے بابا سے بہت زیادہ محبت تھی اور اللہ کے رسول ﷺ بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ کی وفات کے بعد سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نہایت مغموم رہتی تھیں اور جب تک زندہ رہیں کبھی تبسم نہیں فرمایا۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات اللہ کے رسول ﷺ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے چھ ماہ بعد ہوئی۔[1] سیدہ رضی اللہ عنہا پردے کی نہایت سخت پابند تھیں۔ انہیں اس بات کی فکر لاحق تھی کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا جائے گا تو لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ جنازہ عورت کا ہے۔ انہوں نے اس بات کا ذکر اپنی جٹھانی سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے کیا۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ ان کی آپس میں نہایت محبت تھی۔ انہوں نے بتایا: ''میں نے حبشہ میں عورتوں کے جنازے دیکھے ہیں۔ وہاں جنازے پر کھجور کی شاخیں تان کر اوپر کپڑا ڈال دیا جاتا ہے، اس طرح ڈولی کی شکل بن جاتی ہے اور مکمل پردہ ہو جاتا ہے۔'' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ طریقہ اچھا لگا۔ انہوں نے اسی وقت کھجور کی چند شاخیں منگوائیں، ان پر کپڑا تانا جس سے پردے کی صورت پیدا ہو گئی۔[2]

① الطبقات لابن سعد: 28/8. ② المستدرك للحاكم: 163/3، والطبقات لابن سعد: 28/8.

عملی تجربے کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے وصیت کی کہ میرا جنازہ رات کو نکلے اور اس پر اسی طرح پردہ کیا جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ میری وفات کے بعد مجھے سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور میرے شوہر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ غسل دیں۔

ان کی وفات رمضان (11) ہجری میں ہوئی۔ ان کی وصیت کے مطابق سیدہ اسماء بنت عمیس، سیدنا علی اور سلمیٰ ام رافع رضی اللہ عنہم نے ان کے جسد خاکی کو غسل دیا۔[1]

[1] السيرة لابن كثير: 267/8.

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ کس نے پڑھائی۔ سیرت نگاروں نے سیدنا عباس بن عبدالمطلب، سیدنا علی بن ابی طالب اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم کے ناموں کا ذکر کیا ہے۔

اب ہم مختصراً سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کا تذکرہ کرتے ہیں۔

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما

امیر المؤمنین سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ 15 رمضان المبارک 3 ہجری/ یکم اپریل 625ء کو مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش پر آپ ﷺ اور تمام مسلمانوں کو نہایت خوشی ہوئی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے محبت سے ان کے کان میں اذان کہی اور کھجور چبا کر گھٹی دی۔[1] اس طرح سب سے پہلی خوراک جو ان کے جسم میں داخل ہوئی وہ ان کے نانا محترم سید ولد آدم ﷺ کا لعاب دہن تھا۔ گویا اس کے ساتھ ہی ان کو حلم، بردباری اور حکمت عطا ہوگئی۔

> ”والد گرامی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ”حرب“ نام تجویز کیا مگر آپ ﷺ نے بدل کر ”حسن“ رکھا“

[1] شعب الإيمان: 390/6، وسنن أبي داود، حديث: 5105.

ان کا نسب نامہ نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ ہے۔ یہ قریشی اور ہاشمی سردار تھے۔ ان کے والد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین، عشرہ مبشرہ میں سے ایک اور بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے تھے۔ دادا سردار ابوطالب مکہ مکرمہ کی باوقار شخصیت تھے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی محبت کسی سے مخفی نہیں ہے۔ ہر چند

کہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا مگر انہوں نے آپ ﷺ کا قدم قدم پر ساتھ دیا اور مشکل ترین وقت میں اپنے بھتیجے کا بھرپور دفاع کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے پردادا سردار عبدالمطلب بنو ہاشم کے قائد اور سربراہ تھے ان کی قیادت اور سیادت سے کون انکار کرسکتا ہے۔

والد گرامی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ''حرب'' نام تجویز کیا مگر آپ ﷺ نے بدل کر ''حسن'' رکھا۔[1]

ساتویں دن عقیقہ کیا، ان کے سر کے بال منڈوائے اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ میں دی۔[2] اللہ کے رسول ﷺ کو ان سے غیر معمولی محبت تھی۔ ابتدائی زندگی نانا اور والدین کے سایۂ عاطفت میں گزری۔ شکل وصورت میں اللہ کے رسول ﷺ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ نہایت خوبصورت اور حسن وجمال میں یکتا تھے۔ رسول ﷺ ان کے ہونٹوں کو چوما کرتے تھے۔

> ارے دیکھو! یہ جتنا اللہ کے رسول ﷺ کے مشابہ ہے اتنا اپنے باپ (علی رضی اللہ عنہ) کے مشابہ نہیں

[1] المستدرك للحاكم: 3/180. [2] جامع الترمذي، حديث: 1519.

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے

ایک مرتبہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لخت جگر کو گود میں اٹھایا ہوا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ بچے سے پیار کرتے ہوئے فرمانے لگیں: ''ارے دیکھو! یہ جتنا اللہ کے رسول ﷺ کے مشابہ ہے اتنا اپنے باپ (علی رضی اللہ عنہ) کے مشابہ نہیں۔''[1]

[1] البداية والنهاية: 8/35.

یہی بات ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی آپ ﷺ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد فرمائی

تھی۔ ایک مرتبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نماز عصر پڑھائی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ چلتے چلتے باہر نکل گئے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے کندھے پر اٹھالیا اور فرمانے لگے: ''ارے دیکھو تو! اس بچے کی شکل وشباہت اللہ کے رسول ﷺ سے ملتی جلتی ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ نہیں ملتی۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر مسکرا دیے۔[1]

[1] صحيح البخاري، حديث: 3542.

قارئین کرام! ذرا قلم پکڑیں اور کاغذ پر لکھنا شروع کریں کہ کائنات میں کوئی ایسی شخصیت ہے جس کے والد، والدہ، نانا، نانی، ماموں، خالہ، پھوپھی، چچا سب کے سب أَكْرَمُ النَّاس یعنی معزز ترین شخصیات ہوں۔ ان کی والدہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا خاتون جنت، والد گرامی سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، نانا محترم سید ولد آدم محمد بن عبداللہ ﷺ، نانی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ پر اپنی ساری دولت نچھاور کردی، چچا سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ، پھوپھی سیدہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا، ماموں قاسم، عبداللہ اور ابراہیم رضی اللہ عنہم اور خالائیں سیدات زینب، رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن تھیں۔ کیا کائنات میں ان سے اعلیٰ شرف ونسب والا کوئی شخص ہوسکتا ہے؟ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے شجرۂ نسب پر نظر دوڑائیں تو وہ بلاشبہ حسب ونسب کے لحاظ سے بہترین مقام کے حامل ہیں۔

صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہما سیدنا حسین رضی اللہ عنہما اور ان کے والد اور والدہ پر چادر ڈالی اور فرمایا: ''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ناپاکی دور کردے اور انہیں اچھی طرح پاکیزہ بنادے۔''[1]

[1] صحيح مسلم، حديث: 2424.

سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما

جنت کے نوجوانوں کے سردار

سیدنا ابوسعید خدری، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَأَبُوهُمَا خَيْرٌ مِّنْهُمَا)

''حسن اور حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں اور ان کے والد ان دونوں سے بہتر ہیں۔''[1]

[1] سنن ابن ماجه، حديث: 118.

ترمذی میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سیدنا حسن کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے چل رہے تھے۔ ایک آدمی نے کہا: اے جوان! تجھے اٹھانے والی سواری کیا ہی عمدہ ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ سوار بھی بہت اچھا ہے۔''[1]

[1] جامع الترمذي، حديث: 3784.

نبی کریم ﷺ کے پیارے نواسے

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کو کتنی محبت تھی، اس کا اندازہ ان واقعات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، سجدے میں گئے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پیٹھ پر سوار ہوگئے۔ جب تک وہ

اپنی مرضی سے پیٹھ سے نیچے نہ اترے آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک سجدے سے نہیں اٹھایا۔[1]

[1] مسند أبي يعلى: 141/7.

آپ ﷺ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

(إِنَّهُ رَيْحَانَتِي مِنَ الدُّنْيَا وَإِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَعَسَى اللّٰهُ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ)

''یہ دنیا میں میری خوشبو ہے۔ یہ میرا سردار بیٹا ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔''[1]

[1] مسند أحمد: 51/5.

"میرا سردار بیٹا ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا"

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ جمعے کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ ﷺ نے سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کو لڑکھڑا کر اپنی طرف آتے دیکھا تو خطبہ روک کر منبر سے نیچے اترے اور ان دونوں کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں اپنی گود میں اٹھا کر دوبارہ منبر پر تشریف لے آئے۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے:

إِنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ

''بلاشبہ تمہارے اموال اور اولاد آزمائش ہیں۔''[1]

میں نے ان دونوں کو چلتے اور لڑکھڑاتے دیکھا تو خود پر قابو نہ رکھ سکا اور اتر کر ان کے پاس جا پہنچا۔[2]

[1] سورة التغابن: 15۔ [2] جامع الترمذي، حديث: 3774.

اللہ کے رسول ﷺ کو سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے بڑی محبت تھی، وہ بیان کرتے ہیں: آپ ﷺ مجھے پکڑ کر اپنی ران پر بٹھا لیتے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو دوسری ران پر بٹھا لیتے اور پھر ہم دونوں کو اپنے سینے سے لگا کر فرماتے: ''اے اللہ! ان دونوں سے محبت فرما بے شک میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں۔''[1]

① صحيح البخاري، حديث: 3735،6003.

مسند احمد میں حدیث ہے۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھے۔ایک بیٹا ایک کندھے پر اور دوسرا بیٹا دوسرے کندھے پر تھا۔آپ ﷺ دونوں کو باری باری بوسہ دے رہے تھے۔ایک شخص نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ ان دونوں سے محبت کرتے ہیں، ارشاد فرمایا: ''جس نے ان دونوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے نفرت کی اس نے مجھ سے نفرت کی۔''[1]

① مسند أحمد: 2/440.

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد کی نظر میں

ایسے بیٹوں کے تذکرے سے تو تاریخ بھری پڑی ہے جو اپنے والدین کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔مگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اس لحاظ سے منفرد تھے کہ ان کے والد گرامی ان کی بہت عزت اور احترام کرتے تھے۔ایک دن انھوں نے اپنے صاحبزادے سے کہا: ''میرے بیٹے! میں آپ کی تقریر سننا چاہتا ہوں۔'' عرض کی کہ مجھے آپ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ وہاں سے تشریف لے گئے اور ایک ایسی جگہ بیٹھ گئے جہاں سے وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو نظر نہیں

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ذرا بڑے ہوئے تو اپنے نانا محترم کی تربیت میں رہے۔اللہ کے رسول ﷺ اکثر اوقات سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تو آواز دیتے کہ چھوٹا کہاں ہے؟ چنانچہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو ان کو سینے سے لگاتے، ان کو چومتے اور ان کے لیے دعائیں کرتے۔[1]

① مسند أحمد: 2/532.

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے وتروں کے لیے دعائے قنوت سکھائی: (اَللّٰهُمَّ! اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ......)[1]

① سنن أبي داود، حديث: 1427.

سیرت نگاروں نے کتنے ہی ایسے واقعات بیان کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے بہت سے مواقع پر دعائیں فرمائیں اور خود ان کی تربیت فرمائی۔

آ رہے تھے۔سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطاب کرنا شروع کیا اور نہایت فصیح و بلیغ تقریر فرمائی۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے نور نظر کی تقریر سن رہے تھے۔بیٹے کی خطابت سے اتنا متاثر ہوئے کہ جب بیٹے کو دیکھا تو ارشاد فرمایا:

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

''یہ ایک دوسرے کی اولاد تھے اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔''[1]

مطلب یہ تھا کہ شاباش! آپ ایک عالم اور خطیب باپ کے عالم اور خطیب بیٹے ہیں۔[2]

① آل عمران: 34۔ ② البداية والنهاية: 8/38.

تاریخ کے پلٹتے اوراق

جس وقت نبی کریم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے اس وقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی عمر سات یا آٹھ سال تھی۔ اس کے بعد ان کی مشفق والدہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بھی محض چھ ماہ بعد اپنے والد گرامی سے جاملیں۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کی عمر زیادہ نہ تھی، کم سنی کا زمانہ تھا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل ان کے ارشادات سے واضح ہے۔ ان کا یہ حکم عام تھا کہ اہل بیت کے معاملے میں ان سے آپ ﷺ کی قرابت کا خیال رکھو۔

جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے بھی اہل بیت کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کیا۔ یہ دور مسلمانوں کے لیے سنہری دور تھا۔ خوب فتوحات ہوئیں اور بے حد وحساب مال غنیمت آیا، چنانچہ امیر المؤمنین نے بیت المال کی مضبوطی پر توجہ دی مسلمانوں کو بیت المال سے باقاعدہ سالانہ وظائف دیے جاتے تھے۔ سب سے زیادہ رقم ان صحابہ کے لیے تجویز کی گئی جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے چھوٹے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اگرچہ غزوۂ بدر کے وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے مگر اس کے باوجود ان کا مقام ومرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں اتنا زیادہ تھا کہ ان کو بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کے برابر، یعنی پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔[1] سیدنا عمر فاروق اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کا وظیفہ بھی اتنا ہی تھا۔ جس رجسٹر میں وظیفہ پانے والوں کا اندراج تھا ان میں سب سے پہلا نام آپ ﷺ کے چچا سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا تھا، دوسرا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اور تیسرا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ہاں اہل بیت کا کیا مرتبہ ومقام تھا۔

[1] البداية والنهاية: 38/8.

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جوان ہو چکے تھے۔ وہ ان کے خالو تھے، اس لیے ان کا رویہ اور برتاؤ بھی نہایت شفقت آمیز تھا۔ انہی کے دور میں انہوں نے جہاد میں عملاً حصہ لیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ 30 ہجری میں سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں طبرستان میں فوج کشی ہوئی تو اس میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بھی حصہ لیا تھا۔[1]

[1] البداية والنهاية: 38/8، أحداث سنة: (30) من الهجرة.

اسلامی تاریخ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت نہایت الم ناک باب ہے۔ جب ان کے خلاف فتنے کا طوفان اٹھا اور باغیوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا تو سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں صاحب زادوں سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی حفاظت کے لیے متعین فرمایا۔[1] وہ ان کی حفاظت کے دوران زخمی بھی ہوئے۔ باغی اس دروازے سے داخل نہ ہوسکے جہاں ان کا پہرہ تھا۔ تاہم باغی ایک دوسری دیوار پھاند کر اندر پہنچ گئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اثنائے تلاوت قرآن کریم شہید کردیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون.

[1] البداية والنهاية: 38/8.

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں بہت سے ناخوشگوار واقعات رونما ہوئے۔ کچھ شرپسند عناصر نے دونوں جانب غلط فہمیاں پیدا کر کے مسلمانوں کو آپس میں لڑادیا اور ان جنگوں میں بہت سے لوگ قتل ہوگئے۔ ان لڑائیوں سے مسلمانوں کی وحدت میں خاصی کمزوری واقع ہوئی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد کے شانہ بشانہ رہے۔ ان کی طبیعت میں نرمی تھی۔ لڑائی جھگڑے سے مزاجاً دور رہتے تھے۔ ہر چند کہ وہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں شریک تھے مگر اس میں بھی بجز شرکت کے ان کا کوئی خاص عملی حصہ مستند روایات سے ثابت نہیں ہوتا۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت اور ان کے سنہرے فیصلے

رمضان 40 ہجری میں جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی کے ہاتھوں شہادت ہوئی تو اس کے بعد خلافت کے لیے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی۔ خلافت سنبھالنے کے چار ماہ بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اہل شام اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اہل عراق کو ساتھ لے کر جنگ کے لیے نکلے۔ دجلہ اور فرات کے درمیان ایک جگہ پر دونوں لشکر آمنے سامنے آئے۔

روایات کے مطابق اسی جگہ بعد میں بغداد شہر کی بنیاد رکھی گئی۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر ہوا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ طبعاً صلح کے خواہاں اور نرم مزاج تھے، انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ دونوں فوجیں مسلمان ہیں، دونوں طرف ہی جانباز، دلیر اور فنِ حرب وضرب سے آگاہ لوگ ہیں، چنانچہ جب تک دونوں میں سے کوئی ایک گروہ مکمل تباہ نہ ہو جائے اس وقت تک وہ شکست تسلیم نہیں کرے گا۔ اور آپس کی جنگوں کا نتیجہ تو ہمیشہ تباہی و بربادی کی صورت ہی میں نکلتا ہے۔ اس گھرانے کے امت مسلمہ پر بے شمار احسانات ہیں۔ ایک بڑا احسان اس نواسۂ رسول رضی اللہ عنہ نے یہ کیا کہ

> ”میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ایسا لشکر ہے جو اس وقت تک پیٹھ نہ پھیرے گا جب تک وہ اپنے مدمقابل کو قتل نہ کر دے“

فرات کے کنارے واقع عراقی شہر کا ایک منظر

جیسے ہی صلح کے لیے سازگار حالات پیدا ہوئے انہوں نے صلح کی پیشکش کو قبول کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی۔

کتب تاریخ وحدیث میں بڑی تفصیل سے یہ ذکر ہے کہ کس طرح یہ صلح ہوئی تھی۔ امام بخاری نے صحیح بخاری کی (كتاب الصلح) میں باقاعدہ ایک باب قائم کیا ہے جس میں صلح کی تفاصیل کا ذکر ہے۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا حسن ﷺ کی فوج پہاڑوں کی مانند سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھی۔ تو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج کے ایک ذمہ دار تھے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ایسا لشکر ہے جو اس وقت تک پیٹھ نہ پھیرے گا جب تک وہ اپنے مدمقابل کو قتل نہ کر دے۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اگر یہ ان لوگوں کو اور وہ انھیں قتل کر دیں تو لوگوں کے معاملات اور ان کی عورتوں اور بچوں کا ذمہ دار کون ہوگا؟ یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ کے ہولناک نتائج کا تذکرہ کیا، چنانچہ انہوں نے اس وقت عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر کو صلح کی پیشکش کے ساتھ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی طرف بھیجا۔[1]

[1] صحيح البخاري، حديث: 2704.

فریقین نے آپس میں مل بیٹھ کر صلح کی شرائط طے کیں۔ بعض اہم شرائط کچھ اس طرح سے تھیں:

① سب کو بلا استثنا امان دی جائے گی۔

② کوئی عراقی محض بغض و کینہ کی وجہ سے نہ پکڑا جائے گا۔

③ صوبہ اہواز کا کل خراج سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص کر دیا جائے گا اور انہیں سالانہ دو لاکھ درہم دیے جائیں گے۔

④ وظائف و عطیات میں بنو ہاشم کو بنو امیہ پر ترجیح دی جائے گی۔

ان شرائط پر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سختی سے عمل کیا اور قائدین کے تدبر اور فہم و فراست کے باعث امت کے حق میں اس صلح کے بہت شاندار نتائج ظاہر ہوئے۔ مسلمانوں نے باہم متحد ہو کر دشمن کا ہر میدان میں مقابلہ کیا۔ لوگوں میں خوش حالی آئی اور اسلامی حکومت نہایت مستحکم ہو گئی۔[1]

① سير أعلام النبلاء: 264/3، والبداية والنهاية: 617/7.

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس نازک اور پر آشوب موقع پر جو کردار ادا کیا یہ امت کے حق میں انتہائی مفید ثابت ہوا اور نبی کریم ﷺ کی آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ پیش گوئی بھی ثابت ہوئی:

'إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ'

''میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے۔''[1]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے اس مصالحانہ اقدام سے لوگ بہت خوش ہوئے اور اس سال کو ''عام الجماعة'' یعنی مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد کا سال قرار دے دیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت میں مزید اضافہ ہو گیا۔[2]

① صحيح البخاري، حديث: 2704. ② فتح الباري: 80/13.

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے شب و روز

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: ''ہم میں ایسی خوبی کہاں پائی جاتی ہے''

ان کے شب و روز اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزرتے، وہ لوگوں کی حاجات پوری کرنے میں سبقت لے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے ایک شخص سے پوچھا: ''مجھے جناب حسن رضی اللہ عنہ کے معمولات کے بارے میں بتاؤ؟'' اس نے کہا: ''امیر المؤمنین! وہ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد سورج طلوع ہونے تک مسجد ہی میں ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ اشراق کی نماز کے بعد مختلف قبائل کے سردار ان کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں، پھر وہ اٹھ کر امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے پاس تشریف لے جاتے ہیں اور انہیں سلام کہتے ہیں۔ بسا اوقات انہیں تحائف بھی پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔''[1] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: ''ہم میں ایسی خوبی کہاں پائی جاتی ہے۔''

① البداية والنهاية: 38/8.

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا تقویٰ اور تواضع

آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے بارے میں بہت زیادہ غلو سے کام لے رہا تھا اور ان کی تعریف و محبت کے بلند بانگ دعوے کر رہا تھا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تمھارا ناس ہو! ہم سے صرف اللہ کی خاطر محبت کرو۔ اگر ہم اہل بیت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں تو اللہ کے لیے ہم سے محبت کرو اور اگر ہم اس کی نافرمانی کریں تو اللہ ہی کی خاطر ہم سے نفرت کرو۔

اگر ہم اہل بیت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں تو اللہ کے لیے ہم سے محبت کرو اور اگر ہم اس کی نافرمانی کریں تو اللہ ہی کی خاطر ہم سے نفرت کرو

اس شخص نے کہا: آپ کو کیا فکر ہے؟ آپ تو اللہ کے رسول کی اولاد اور ان کے خاندان کے لوگ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: تیرا ناس ہو، اگر اللہ کی اطاعت کے بغیر رسول اللہ ﷺ سے رشتہ داری کام دیتی تو ہمارے اجداد کو دیتی اور رسول اللہ کے دیگر رشتہ دار جو کفر پر اڑے رہے ان بدنصیبوں کو آپ ﷺ کی قرابت کوئی کام دیتی۔ اللہ کی قسم! مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں ہم میں سے نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ دگنے عذاب سے دوچار نہ کردے کہ تم لوگ اولادِ رسول ہو کر میرے نافرمان رہے۔ اسی طرح مجھے یہ بھی امید ہے کہ ہم میں سے جو شخص اللہ کی اطاعت کرے گا اسے عام لوگوں سے دوگنا اجر وثواب دیا جائے گا۔ ہمارے بارے میں اللہ سے ہمیشہ ڈرتے رہو اور ہمارے متعلق حق بات کہو۔ اسی میں تمہارا بھلا ہے اور اسی طرزِ عمل سے ہم بھی خوش رہیں گے۔[1]

① طبقات ابن سعد: 5/319، 320۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی دانائی

ابو ہشام القناد ایک کاروباری آدمی تھے۔ وہ بصرہ سے سامان تجارت خریدتے اور مدینہ منورہ لا کر فروخت کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مجھ سے خریداری کے وقت نرخوں پر خاصی

بحث کرتے۔ (مراد یہ تھی کہ کم نرخوں پر مجھ سے چیزیں خریدتے) اور تھوڑی دیر کے بعد خریدی ہوئی اشیاء وہیں کھڑے کھڑے لوگوں میں تقسیم کردیتے۔ ان کو تعجب ہوتا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہ نرخوں پر خاصی بحث کررہے تھے، کم سے کم نرخوں پر خرید رہے تھے مگر تھوڑی دیر بعد وہی چیزیں مفت میں بانٹ رہے ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی اس حیرانی کا ذکر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کیا تو آپ نے جواب میں جو کچھ فرمایا وہ سننے، یاد رکھنے اور عمل کرنے کے لائق ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''مؤمن کو ایسا ہونا چاہیے کہ اسے آسانی سے دھوکہ نہ دیا جاسکے۔''[1]

مؤمن کو ایسا ہونا چاہیے کہ اسے آسانی سے دھوکہ نہ دیا جاسکے

① تاریخ بغداد، رقم الحدیث: 1405.

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام کس قدر دانائی اور حکمت پر مبنی تھا۔ آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی خرابیوں اور کرپشن کی بنیاد یہ ہے کہ سیاسی قائدین اور ذمہ داران لوگوں کو کچھ دینے کے بجائے ان کے حقوق دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ سے براہ راست تربیت پانے کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ ضرورت مندوں اور عام لوگوں پر اپنی جیب سے زرکثیر خرچ کیا کرتے تھے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی کمال سخاوت

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نہایت درجہ سخی تھے اور کیوں نہ ہوتے آپ سخیوں کے سردار سرورِ دو عالم ﷺ کے تربیت یافتہ تھے۔ نبی کریم ﷺ جب سخاوت فرماتے تو اس طرح عطا کرتے کہ آپ کو تنگدستی کا کوئی خدشہ نہ ہوتا۔ آپ ﷺ کی جود وسخا کے رنگ کی گہری جھلک سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ ان کی جود وسخا کے بہت سے واقعات کتب سیرت وتاریخ میں موجود ہیں۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ایک مرتبہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ایک ہی شخص کو ایک لاکھ درہم عطا کر دیے۔'' ایک بار کسی شخص کو بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کرتے ہوئے سنا: یا اللہ! مجھے دس ہزار درہم کا مالک بنا دے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فوراً گھر گئے اور ایک خادم کے ہاتھ دس ہزار درہم اس شخص کی طرف بھجوا دیے۔''

''ایک بار مدینہ طیبہ میں ایک باغ کی دیوار کے قریب سے گزر رہے تھے کہ ایک کالے غلام کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں روٹی تھی۔ وہ ایک لقمہ خود کھاتا اور دوسرا ایک کتے کو کھلاتا۔ آپ نے سبب پوچھا تو اس نے کہا: مجھے اکیلے کھاتے ہوئے شرم محسوس ہوئی۔ پوچھا: تم کس کے غلام ہو؟ اس نے کہا: ابان بن عثمان کا۔ پوچھا: اور یہ باغ کس کا ہے؟ اس نے کہا: یہ بھی انہی کا ہے۔ فرمایا: میرے آنے تک اسی جگہ ٹھہرو۔ فوراً گئے، غلام اور باغ کی قیمت ادا کر کے اسے خرید لیا۔ آ کر غلام سے کہا: میں نے تمہیں باغ سمیت خرید لیا ہے۔ اس نے عرض کی: میرے آقا! میرے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا: تم اللہ کی راہ میں آزاد ہو اور یہ باغ تمہارا ہے۔ اس نے کہا: جس اللہ کے نام پر آپ نے مجھے یہ باغ دیا اسی کے نام پر میں اس کو حاجت مندوں کے لیے وقف کرتا ہوں۔''[1]

[1] البداية والنهاية: 39/8.

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کم از کم تین مرتبہ ایسا ہوا کہ انہوں نے اپنے مال کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور ہر مرتبہ آدھا مال اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا۔ ایک بار سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک لاکھ درہم ارسال کیے تو جو لوگ ان کے پاس بیٹھے تھے تمام رقم فوری طور پر انہی میں تقسیم کر دی۔ ہر ایک کے حصے میں دس ہزار درہم آئے۔ ایک بار انہیں معلوم ہوا کہ سیدنا اسامہ بن

زید رضی اللہ عنہما بہت بیمار ہیں۔ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو وہ سخت غمزدہ نظر آئے۔ پوچھا: آپ کو کیا فکر ہے؟ آپ تو اللہ کے رسول ﷺ کے محبوب ہیں۔ انہوں نے حزن و یاس میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا: میرے ذمے ساٹھ ہزار درہم قرض ہے اور ادائیگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فکر نہ کریں یہ قرض میں ادا کروں گا۔ یہ سن کر سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔[1]

[1] الحسن بن علي بن أبي طالب، للدكتور علي محمد الصلابي، ص: 297

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے اقوال

آپ رضی اللہ عنہ کے اقوال بہت پُر حکمت اور علم وعرفان پر مبنی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا قول ہے: دس چیزیں کسی انسان کے اعلیٰ اخلاق کی دلیل ہیں:

① زبان سے ہمیشہ سچ بولنا۔ ② میدان جنگ میں ثابت قدم رہنا۔ ③ سائل کو عطا کرنا۔ ④ لوگوں سے حسن خلق سے پیش آنا۔ ⑤ لوگوں کے حسن سلوک کا عمدہ بدلہ دینا۔ ⑥ صلہ رحمی کرنا۔ ⑦ پڑوسی سے حسن سلوک کرنا۔ ⑧ حق دار کا حق پہچاننا۔ ⑨ مہمان کی عمدہ خدمت کرنا۔ ⑩ انسان کا حیادار ہونا اور یہ خوبی سب سے بڑھ کر ہے۔[1]

[1] شعب الإيمان للبيهقي: 10/162.

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انسان کے لیے سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اس کا اخلاق اچھا نہ ہو۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی معاملہ فہمی اور حاضر جوابی

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ میں معاملہ فہمی، حاضر جوابی وافر مقدار میں پائی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ نہا دھو کر بالوں میں کنگھی کر کے اور انتہائی عمدہ لباس پہن کر گھر سے نکلے۔ راستے میں انہیں ایک یہودی ملا جس کی حالت انتہائی خستہ تھی۔ پھٹا پرانا لباس پہن رکھا تھا۔ گرمی اور دھوپ اسے ستا رہی تھی۔ اس نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نواسۂ رسول! ایک بات میرے ذہن میں کھٹک رہی ہے، اس کا جواب تو دیجیے۔ آپ کے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے:

(اَلدُّنیَا سِجنُ المُؤمِنِ وَجَنَّةُ الکَافِرِ)

''دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔''

لیکن یہاں تو معاملہ الٹ دکھائی دے رہا ہے۔ آپ انتہائی فراخی اور فارغ البالی سے عمدہ زندگی گزار رہے ہیں۔ دنیا آپ کے لیے جنت بنی ہوئی ہے جبکہ میں انتہائی تنگدستی اور عسرت میں زندگی بسر کر رہا ہوں۔ شب و روز کی سختیوں نے زندگی کو میرے لیے جہنم بنا رکھا ہے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے پورے اعتماد سے فوری جواب دیتے ہوئے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جنت کی نعمتوں کی صورت میں ہمارے لیے جو کچھ تیار کر رکھا ہے اس کے مقابلے میں دنیا قید خانہ ہی ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے لیے آخرت میں جہنم اور عذاب کی صورت میں جو مصیبتیں تیار کر رکھی ہیں ان کے مقابلے میں دنیا کی یہ زندگی ان کے لیے جنت ہی کی طرح ہے۔ [1]

[1] الحسن والحسین لمحمد رشید رضا، ص: 32و 33۔

سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے بیٹے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ 3 شعبان 4 ہجری کو مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے بڑے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ یہ قریشی تھے، ہاشمی تھے۔ سید ولد آدم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت پیارے اور لاڈلے نواسے تھے۔ راقم نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی سیرت کے ذکر میں لکھا تھا کہ اس کائنات میں کوئی ایسی دوسری شخصیت نہیں ہے جس کا نسب نامہ اتنا اعلیٰ وارفع ہو جتنا سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور پھر جو الفاظ میں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھے تھے وہی اس عظیم شخصیت کے بارے میں بھی لکھے دیتا ہوں کہ آپ اپنے ہاتھ میں کاغذ قلم پکڑیں اور پوری انسانیت کی تاریخ میں تلاش کریں کہ اس کائنات میں کون سی ایسی شخصیت ہے جس کا والد، جس کی والدہ، جس کا نانا، جس کی نانی، جس کی خالہ، جس کی پھوپھی، جس کا ماموں، جس کا چچا سب
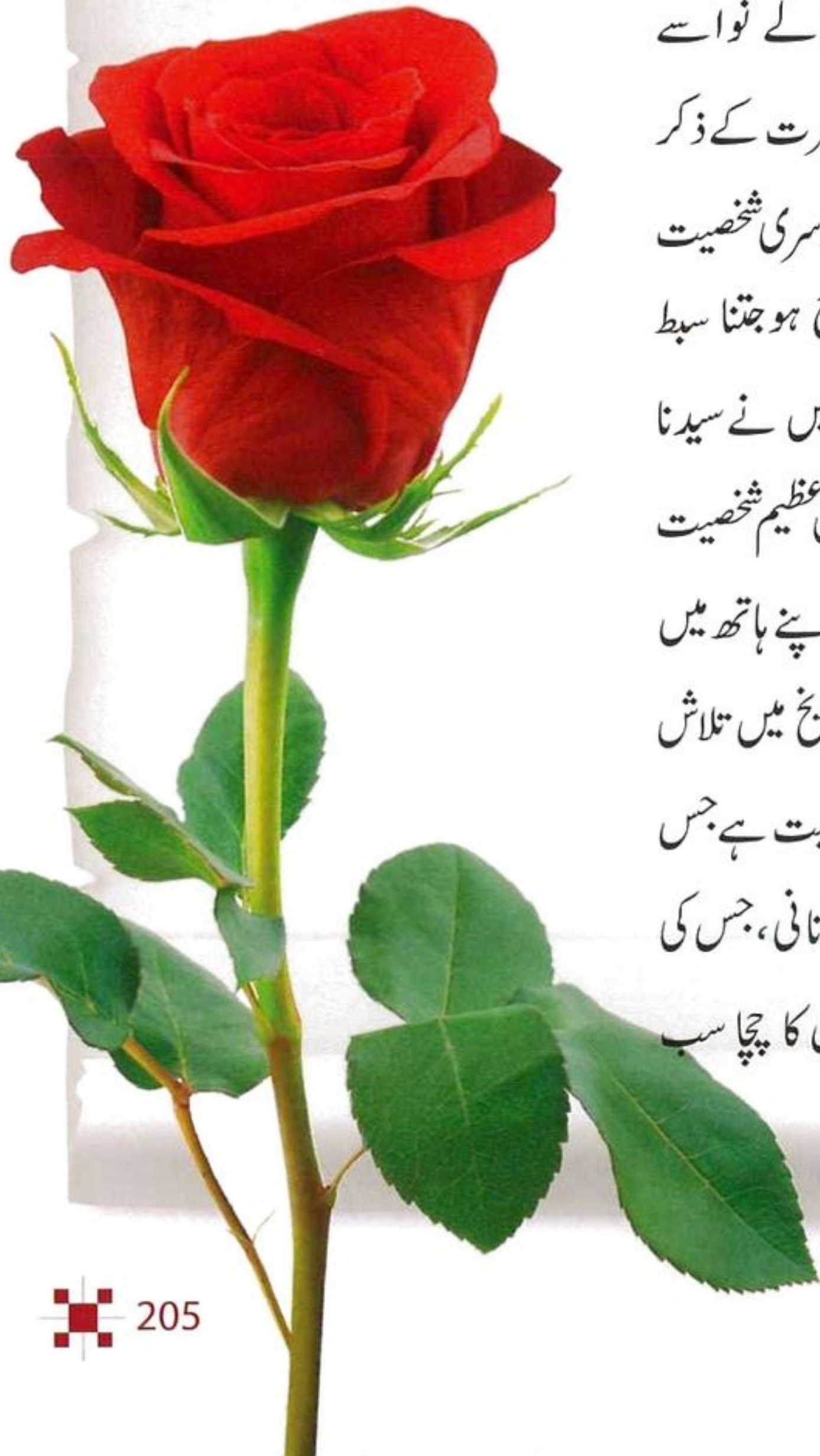
کے سب اعلیٰ ترین خاندان اور معزز ترین نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے قارئین اس عظیم گھرانے کے بارے میں یقیناً بہت کچھ جانتے ہوں گے۔ وہ ان سے محبت اور پیار کرتے ہیں۔ مگر صرف یاد دہانی کے لیے لکھے دیتا ہوں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں کہ ان کی والدہ سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا ہیں، والد محترم سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے نانا سرور کونین محمد ﷺ ہیں۔ ان کی نانی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کی پھوپھی سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کے ماموں جناب قاسم، طیب، طاہر اور ابراہیم رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان کے چچا سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ وہ مقدس گھرانہ ہے جس کو پوری انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ عزت وشرف والا شمار کیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

"سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سر سے سینے تک اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سینے سے قدموں تک رسول اللہ ﷺ سے مشابہ تھے"

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ»

"اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے بنو کنانہ کا انتخاب کیا، پھر بنو کنانہ میں سے قریش کو چن لیا، قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنو ہاشم میں سے میرا انتخاب ہوا۔"

① صحيح مسلم، حديث: 2276.

اس سے اندازہ کر لیں کہ یہ کتنا مقدس اور محترم گھرانہ تھا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو اللہ کے رسول ﷺ کو بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ نومولود کے کان میں اذان کہی اور بچے کے منہ میں پہلی غذا کے طور پر اپنے لعاب دہن کے ساتھ کھجور ملا کر داخل فرمائی۔[1] سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بچے کا نام حرب تجویز کیا مگر آپ ﷺ نے بدل کر حسین رکھا۔[2] ساتویں دن عقیقہ کیا۔ سر کے بال اتروائے اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی۔ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔

① شعب الإيمان: 390/6، وسنن أبي داود، حديث: 5105. ② المستدرك للحاكم: 180/3.

سیر اعلام النبلاء میں ہے کہ دونوں بھائی اپنے نانا کی تصویر تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سر سے سینے تک اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سینے سے قدموں تک آپ ﷺ سے مشابہ تھے۔[1]

① سير أعلام النبلاء: 250/3.

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی تربیت

دونوں سیدزادے دنیا میں ریحانۃ الرسول تھے۔ مدینہ طیبہ میں ان کے نانا محترم کے علاوہ بے شمار لوگ تھے جو ان سے شدید محبت کرتے تھے۔ مدینۃ الرسول میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات تھیں جو ان سے محبت کرتیں۔ ان کی خالائیں بھی تھیں۔ دیگر رشتے داروں کے علاوہ مدینہ طیبہ میں مہاجرین اور انصار تھے جو ان کی ایک ایک ادا پر دل وجان سے فدا تھے۔ سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما ان خوش قسمت نفوس میں سے تھے جن کی تربیت خود اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی۔ ان کو ہمیشہ لقمۂ حلال کھانے کو ملا۔

ذرا اس حدیث نبوی پر غور فرمایئے کہ مسجد نبوی میں صدقے کی کھجوروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ابھی چھوٹے تھے، وہ کھجوروں کے ڈھیر سے کھیلنے لگ گئے، ان میں سے ایک نے کھجور لی اور اپنے منہ میں ڈال لی۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے ننھے سے نواسے کو دیکھ رہے تھے،

آپ ﷺ نے ان کے منہ میں انگلی ڈال کر اسے باہر پھینک دیا اور فرمایا: کِخْ کِخْ بیٹا! اس کو نکال دو، تھوک دو، ہم بنو ہاشم ہیں، ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔ [1]

① صحيح البخاري، حديث: 1491 و1485.

اس واقعے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی کتنی عمدہ تربیت ہوئی تھی۔ اس گھرانے میں تواضع تھی اور غریبوں، مسکینوں کے ساتھ پیار تھا۔ ہر چند کہ یہ بڑے لوگ تھے۔ مگر ان کی تربیت کرنے والی وہ عظیم خاتون سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں جنہوں نے اپنے بچوں کی تربیت اس نہج پر کی کہ وہ نہایت متواضع شخصیت کے مالک بنے۔ ان میں فخر وتکبر نام کو نہ تھا۔

اس عظیم خاتون کے تربیت یافتہ فرزند ارجمند سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کچھ مساکین کے پاس سے گزرے جو اکٹھے زمین پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ نواسۂ رسول ﷺ کو دیکھا تو لجاجت سے عرض کی: حضرت! تشریف لائیے، ہمارے ساتھ کھانے میں شرکت فرمائیے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے نیچے اترے، ان کے ہمراہ زمین پر بیٹھے اور یہ کہتے ہوئے ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان کے ساتھ کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو نواسۂ رسول ان کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (قَدْ أَجَبْتُكُمْ فَأَجِيبُونِي) ''میں تو آپ لوگوں کی دعوت قبول کر چکا، اب آپ لوگ بھی میری دعوت قبول کریں۔'' ان کے لیے اس سے بڑھ کر اعزاز واکرام کی کیا بات ہو سکتی تھی؟ یک زبان ہو کر بولے: (نَعَمْ) ''ہاں ہاں، ہم آپ

> رسول اللہ ﷺ نے حسین رضی اللہ عنہ کے منہ میں انگلی ڈال کر کھجور باہر پھینک دی اور فرمایا: کِخْ کِخْ بیٹا! اس کو نکال دو، ہم بنو ہاشم ہیں، ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں ہے

کی دعوت قبول کرتے ہیں۔'' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ان کو ہمراہ لیے ہوئے گھر تشریف لائے اور پھر تاریخ نے آپ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ اپنے سینے میں محفوظ کر لیے۔ اپنی زوجۂ محترمہ ''رُباب'' سے فرمایا: (أَخْرِجِي مَا كُنْتِ تَدَّخِرِينَ) ''اپنی جمع شدہ پونجی نکال لاؤ۔'' پھر اس مال کو ان مساکین میں تقسیم کر دیا۔ [1]

① تاريخ دمشق: 181/14.

قارئین کرام: کون مسلمان ہو گا جو ان عظیم شخصیات سے محبت نہ کرتا ہو گا۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت نہ صرف سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بلکہ تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم سے نہایت گہری اور سچی محبت کرتے ہیں۔ اس میں کون سی شک کی بات ہے کہ اس گھرانے نے اسلام کے لیے بے حد قربانیاں دیں۔ سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اس کے لیے بے حد مصائب برداشت کیے۔ خلفائے راشدین خاندانِ نبوت، اہل بیت اور ابتدا میں اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ نہایت عزت واحترام سے پیش آتے تھے اور انہیں اوروں پر ترجیح دیتے تھے۔

دربارِ فاروقی کی ترجیحات

میں قارئین کی توجہ ایک واقعہ کی طرف دلا کر آگے بڑھوں گا یہ واقعہ میں نے اپنی کتاب سنہرے اوراق ص: 48 میں لکھا ہے کہ یہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دروازہ ہے۔ یہاں پر سیدنا سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ بعض دیگر اہل ایمان سرداران قریش کے ساتھ جمع ہیں۔ یہ سب لوگ ملاقات کے لیے امیر المؤمنین کے بلاوے کے منتظر ہیں۔ اسی اثنا میں سیدنا صہیب رومی، بلال بن رباح رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر غلام جو غزوۂ بدر میں شریک تھے، ملاقات کے لیے آ گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دربان سے کہہ کر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو فوراً ملاقات کے لیے اندر بلوا لیا۔ سرداران قریش اس بات پر سیخ پا ہوئے کہ ان غلاموں کو تو ملاقات کے لیے فوراً اجازت مل گئی جبکہ انہیں انتظار میں

بٹھا دیا گیا ہے اور ان کی طرف نظر التفات بھی نہیں کی گئی۔ وہ ابھی اس قسم کی گفتگو کر ہی رہے تھے کہ سہیل بن عمرو ؓ نے، جو اپنے وقت کے نہایت دانا، سمجھ دار اور خطیب آدمی تھے، شرکاء کو مخاطب کیا اور فرمایا:

''اے قوم! اللہ کی قسم! میں نے تمہارے چہروں پر غصے اور ناراضی کی علامتیں دیکھی ہیں۔ دیکھو! غصہ و ناراضی عمر بن خطاب ؓ پر نہیں بلکہ اپنے آپ پر کرو۔ قوم کو دعوتِ حق دی گئی اور تمہیں بھی یہ دعوت ملی مگر ان کمزور لوگوں نے اس دعوت کو فوراً قبول کر لیا جبکہ تم لوگوں نے تاخیر کی اور آج ان کے مقابلے میں پیچھے رہ گئے۔ ایمان کی وہ فضیلت جس کے ذریعے یہ غریب و مسکین لوگ تم لوگوں پر سبقت لے گئے، تم لوگ اس فضیلت سے محروم رہنے پر زیادہ افسوس کرو۔ اس دروازے میں پہلے داخل نہ ہونے پر زیادہ افسوس نہ کرو۔'' پھر فرمایا:

''اے لوگو! یہ فقراء جس نعمت کے ذریعے تم سے آگے نکل چکے ہیں وہ تمہیں معلوم ہے۔ اللہ کی قسم! جس درجے پر وہ پہنچ چکے ہیں، وہاں تک تمہاری رسائی تب ممکن ہے جب تم جہاد فی سبیل اللہ سے خود کو مربوط کر لو، ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہیں شہادت دے دے (اور تم بھی اعلیٰ درجات کے مستحق بن سکو۔)'' یہ کہہ کر سیدنا سہیل بن عمرو ؓ نے اپنے کپڑے جھاڑے اور چل دیے۔ [1]

---

[1] الاستیعاب: 221/2.

قارئین کرام بات دراصل یہ ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق ؓ نے قریش کے ان بڑے سرداروں کے مقابلے میں سیدنا بلال ؓ اور ان جیسے فقراء و مساکین کو ان کے قدیم الاسلام ہونے کی وجہ سے ترجیح دی۔ اسلام کے نزدیک یہی اصل میں عزت کا معیار ہے کہ کون کس قدر اللہ کا فرماں بردار ہے۔ دنیاوی جاہ و حشمت اور دولت مندی عزت و شرف کا باعث نہیں ہے۔

فاروق اعظم ؓ کا حسنین کریمین ؓ سے پیار و محبت

سیدنا عمر فاروق ؓ سیدنا حسین ؓ سے بہت پیار اور شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔ فاروق اعظم ؓ حد درجہ ان کا احترام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے روشن دور میں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سیدنا عمر فاروق ؓ تمام بدری صحابہ ؓ کا وظیفہ مقرر کرتے ہیں۔ آپ نے سیدنا حسین ؓ اور سیدنا حسن ؓ کے لیے بھی پانچ پانچ ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا۔ حالانکہ غزوۂ بدر کے موقع پر وہ پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ [1]

> ''ہمارے سر پر جو عزت کا تاج ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے بعد خاندانِ نبوت کی برکت کی وجہ سے ہے''

سیدنا عمر فاروق ؓ کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے نواسوں کے لیے بے پناہ قدر و منزلت تھی۔ ان محبتوں کا اظہار ایک دن یوں ہوا کہ سیدنا عمر فاروق ؓ نے سیدنا حسین ؓ سے کہا: پیارے بیٹے! آپ ہمارے پاس ملاقات کے لیے کیوں نہیں آتے؟ چنانچہ ایک دن سیدنا حسین ؓ امیر المؤمنین سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ اس واقعے کے راوی وہ خود ہیں۔ فرماتے ہیں: میں وہاں گیا تو سیدنا عمر فاروق ؓ علیحدگی میں سیدنا امیر معاویہ ؓ کے ساتھ بعض اہم امور پر مشورہ کرنے میں مصروف تھے۔ خود ان کا بیٹا عبداللہ بن عمر ؓ بھی اجازت نہ ملنے کی وجہ سے وہاں کھڑا تھا۔ دل میں خیال آیا کہ اگر بیٹے کو ملاقات کی اجازت نہیں مل رہی تو مجھے کہاں ملے گی۔ یہ سوچ کر میں واپس آ گیا۔ کچھ وقت گزرا تو سیدنا عمر فاروق ؓ سے ملاقات ہوئی۔ پوچھا: بیٹے! آپ آئے نہیں۔ عرض کی: میں حاضر ہوا تھا مگر آپ ؓ سیدنا معاویہ ؓ کے ساتھ تخلیے میں مصروف تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ؓ کا بیٹا

عبداللہ رضی اللہ عنہ دروازے پر منتظر تھا، اسے اجازت نہیں ملی تو میں بھی پلٹ آیا۔

① البداية والنهاية: 38/8.

یہ سن کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں جو جواب دیا اسے ذرا غور سے پڑھیں۔ فرمایا: ''آپ میری ملاقات کے میرے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مستحق ہیں۔'' سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھتے ہوئے فرمایا: ''ہمارے سر پر جو عزت کا تاج ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے بعد خاندانِ نبوت کی برکت کی وجہ سے ہے۔''①

① تاريخ دمشق: 174/14.

قارئین کرام: ذرا ان واقعات کو غور سے پڑھیں اور اندازہ کریں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اہل بیت کے لیے کتنی محبت اور عقیدت تھی۔ میں آگے بڑھنے سے پہلے یہ وضاحت کر دوں کہ ہم اہل سنت والجماعت کے یہاں اہل بیتِ رسول انتہائی مکرم ومحترم اور بلند ترین درجے کی حامل شخصیات ہیں۔ اہل سنت والجماعت ان کے حقوق کا، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں، تحفظ کرتے چلے آئے ہیں۔ وہ ان سے محبت کرتے ہیں، ان کا خیال رکھتے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ کی وصیت کے مطابق عمل کرتے ہیں جو آپ ﷺ نے غدیر خم کے دن ارشاد فرمائی تھی:

(أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي)

''میں تمہیں اپنے اہل بیت کے (حقوق کے) بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈراتا ہوں۔''①

① صحيح مسلم، حديث: 2408.

اہل سنت والجماعت اس وصیت کے نفاذ میں سعادت مند قرار پاتے ہیں۔ وہ نہ تو بعض انتہا پسند لوگوں کی طرح ہیں جو سیدنا حسین اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کی محبت میں انتہائی غلو کے مرتکب ہوتے ہیں حتی کہ انہیں بعض اوقات نہ صرف رسول اللہ ﷺ سے بھی آگے بڑھا دیتے ہیں بلکہ انہیں مقام الٰہی تک

پہنچا دیتے ہیں اور نہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو اہل بیت سے بغض رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو خطرے میں ڈال لیتے ہیں۔

قارئین کرام! ان سطور کے راقم کو الحمد للہ تمام اہل بیت کے ساتھ انتہا درجے کی محبت ہے۔ میں ان کی محبت کو ایمان کا حصہ سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک انہیں کسی بھی قسم کی قولی یا فعلی اذیت دینا حرام ہے۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ قیامت کے دن ہمارا حشر ان اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہو۔

''حسن اور حسین دونوں بھائی جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔''

لمحۂ فکریہ!

مگر ساتھیو! ہم اس بات پر غور کیوں نہ کریں کہ ہمیں ان کی محبت کے لیے غیر مستند قصے کہانیوں کی کیا ضرورت ہے؟ کتنے ہی ایسے واقعات ہیں جو درست نہیں ہیں۔ لوگ انہیں اپنی تقریروں میں، اپنی تحریروں میں بیان کرتے اور لکھتے ہیں۔ ہم یہ پوری دیانت داری سے سمجھتے ہیں کہ روشنی کے ان میناروں کی عظمت وشان کے اظہار کے لیے خود ساختہ واقعات کی کوئی ضرورت ہے نہ ان کی اس طرح شان بڑھتی ہے۔ یہ گھرانہ تو وہ مقدس اور مبارک گھرانہ ہے جس کی رفعت، بلندی اور شان اللہ تعالیٰ نے خود بڑھا دی ہے۔ میں جب بھی ان نفوس قدسیہ کی سیرت پر غور کرتا ہوں تو مجھے چشم تصور سے مدینہ طیبہ میں ننھے سے حسین رضی اللہ عنہ نظر آتے ہیں جن کے ہونٹوں کو سرور کونین رحمت عالم ﷺ چوما کرتے تھے۔ ایک دن جب وہ اپنے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ سرخ لباس پہنے مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو اللہ کے رسول ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے معصوم گرتے پڑتے اپنے نانا محترم کی طرف آگے بڑھے تو آپ ﷺ رہ نہ سکے۔ منبر سے نیچے اترے اور ان دونوں بھائیوں کو گود میں اٹھا کر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ

”تمہارے اموال اور اولاد آزمائش ہیں۔“

میں نے اپنے بیٹوں کو گرتے پڑتے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو صبر نہ کر سکا اور خطبہ درمیان میں منقطع کر کے منبر سے اترا اور ان دونوں کو گود میں اٹھا لیا۔[1]

[1] جامع الترمذي، حديث:3774.

اللہ کے رسول ﷺ ان دونوں بھائیوں سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ ایک روز آپ ﷺ نے اللہ کے حکم کے ساتھ ان دونوں کو ایک اعزاز عطا فرمایا کہ

(اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ)

”حسن اور حسین دونوں بھائی جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔“[1]

یاد رہے کہ ان کی والدہ سیدہ فاطمہ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ ہیں۔

[1] جامع الترمذي، حديث:3768.

قارئین کرام! اہل بیت اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ساری خوبیاں ایک طرف اور آپ ﷺ کی زبان اقدس سے ان کے لیے نہ صرف جنت کی بشارت بلکہ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہونے والی بشارت کو ایک طرف رکھ دیا جائے تو اکیلی یہ بشارت ہی ان کے محترم، باوقار، باعزت اور اعلیٰ و افضل ہونے کے لیے کافی ہے۔

سیدنا محسن بن علی رضی اللہ عنہما

شادی کے تین چار سال بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنگن میں تیسرا پھول کھلا۔ جس سے گھر میں خوب رونق ہوئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کا نام حرب رکھا۔ رسول اللہ ﷺ کا شانۂ علی میں تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ عرض کی: ”حرب“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، یہ محسن ہے۔ سیدنا محسن بن علی رضی اللہ عنہما بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔ مستند اور معتبر کتبِ تاریخ میں ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔[1]

[1] أسد الغابة:4/54.

سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہا

5 ہجری میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام زینب رکھا گیا، انہوں نے اپنے بھائیوں کی طرح اپنے نانا محترم محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت اور پیار حاصل کیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں پلنے والی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نہایت لاڈلی تھیں لیکن اس کے باوجود ان کی تربیت بہت مثالی ہوئی تھی۔ ان میں جرأت و بہادری اور حق گوئی شروع دن ہی سے تھی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی زندگی میں بہت سے نشیب وفراز دیکھے۔ ابھی چند سال کی تھیں کہ نانا محترم اور والدہ ماجدہ کی محبت اور شفقت سے محروم ہوگئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی لختِ جگر زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی امامہ رضی اللہ عنہا تھوڑے عرصے کے بعد ان کی والدہ بن کر حرمِ علی رضی اللہ عنہ میں آگئیں جس سے سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کو بہت خوشی ہوئی۔ گھر کی رونق ایک مرتبہ پھر عروج پر پہنچ گئی۔

سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کی شادی

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لختِ جگر سیدہ زینب کا نکاح اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے کر دیا۔ شادی کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں وقفے وقفے سے چار بیٹے علی، عون، عباس، محمد اور ایک بیٹی ام کلثوم پیدا ہوئی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شب وروز

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نہایت ذہین، سمجھدار اور بہادر خاتون تھیں۔ صوم وصلاۃ کی پابند تھیں۔ تہجد بہت اہتمام سے پڑھا کرتی تھیں حتی کہ سانحۂ کربلا کے موقع پر بھی ان کی تہجد نہیں چھوٹی۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت سی خصائل حمیدہ جمع کر دیں تھیں۔ سخاوت میں بے مثال تھیں، نہایت فصیح وبلیغ اور قوت گویائی کا خوب ملکہ رکھتی تھیں۔ عظیم بہن اپنے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدان کربلا میں موجود تھیں۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے تمام مناظر دیکھے اور نہایت صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا۔

سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما

6 ہجری میں سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے آنگن میں ایک کلی کھلی جس کا نام ام کلثوم رکھا گیا۔ یہ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر، حسنین کریمین کی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی نواسی تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کو ان کی پیدائش پر بہت خوشی ہوئی۔ انہوں نے بھی اپنے نانا محترم سے بہت پیار حاصل کیا۔ یہ بہت مقدس گھرانہ تھا جہاں اعلیٰ اخلاقی اقدار موجود تھیں۔ سیدہ ام کلثوم نہایت ذہین، سمجھدار اور نیک و صالح خاتون تھیں۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ابھی چند سال کی تھیں کہ وہ محبت کرنے والے نانا محترم اور چند ماہ بعد شفیق و مہربان والدہ محترمہ سے محروم ہوگئیں۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے یکے بعد دیگرے بہت سے صدمے برداشت کیے سیدہ رضی اللہ عنہا فطری طور پر پریشان اور اداس رہنے لگی تھیں کہ سیدہ امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا ان کی والدہ بن کر حرمِ علی رضی اللہ عنہ میں آ گئیں۔ سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کے آتے ہی انہیں دلی اطمینان اور نہایت خوشی ہوئی۔ سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا نے بھی ان کی خوب دیکھ بھال کی اور نہایت عمدہ تربیت کی۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی عمر گیارہ سال کے قریب تھی کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس ام کلثوم کے لیے پیغامِ نکاح بھیجا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنی بیٹیوں کے لیے اپنے بھائی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کا انتخاب کیا ہے۔
سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دوبارہ پیغامِ نکاح بھیجا اور کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ میری نسبی اور سسرالی رشتے داری کے سوا تمام نسبی، سببی اور سسرالی رشتہ داریاں (قیامت کے دن) ختم ہو جائیں گی، میرا نبی ﷺ سے سببی تعلق بھی تھا اور نسبی بھی، میں چاہتا ہوں کہ ان کے ساتھ سسرالی تعلق بھی قائم ہو جائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو چالیس ہزار درہم حق مہر ادا کیا۔
سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس گئے اور کہنے لگے: مجھے شادی کی مبارکباد دو۔ انہوں نے مبارکباد دی اور کہا: امیر المؤمنین! آپ نے کس سے شادی کی ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی (ام کلثوم) سے جو رسول اللہ ﷺ کی نواسی ہے۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے:

(كُلُّ نَسَبٍ وَسَبَبٍ وَصِهْرٍ مُنْقَطِعٌ إِلَّا نَسَبِي وَصِهْرِي)

"قیامت کے دن تمام نسبی سببی اور سسرالی رشتہ داریاں میری نسبی اور سسرالی رشتہ داریوں کے سوا ٹوٹ جائیں گی"[1]

---

(1) صحيح الجامع، حديث:4564 و المستدرك للحاكم: 153/3۔

میاں بیوی کی مثالی زندگی

اس جوڑے کی زندگی نہایت مثالی تھی، آپس میں خوب پیار ومحبت تھا۔ ایک دن سیدنا عمر ؓ نے اپنی رفیقۂ حیات سیدہ ام کلثوم ؓا کو بلایا تو وہ رو رہی تھیں۔ سیدنا عمر ؓ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگیں: امیر المؤمنین! یہ یہودی (کعب احبار)[1] کہتا ہے کہ آپ جہنم کے دروازوں میں سے کسی دروازے پر ہیں، سیدنا عمر ؓ نے فرمایا: جیسے اللہ کی رضا، لیکن مجھے امید ہے کہ اللہ نے مجھے سعادت مند پیدا کیا ہے۔

[1] کعب احبار نے سیدنا عمر ؓ کے دور میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

سیدنا عمر ؓ نے کعب احبار کو بلا کر اس بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگے: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ہم آپ کو جہنم کے دروازوں میں سے کسی دروازے پر موجود پاتے ہیں کہ آپ لوگوں کو جہنم میں گرنے سے روک رہے ہیں، جب آپ وفات پا جائیں گے تو لوگ قیامت تک جہنم میں گرتے رہیں گے۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد:3/332.

سیدہ ام کلثوم ؓا کی اولاد

شادی کے تھوڑے عرصہ بعد سیدہ ام کلثوم ؓا کے آنگن میں ایک پھول کھلا جس کا نام زید رکھا گیا۔ کچھ عرصے بعد ایک کلی کھلی جس کا نام رقیہ رکھا گیا۔[1]

[1] الإصابة:8/293، حرف الکاف.

امیر المؤمنین عمر بن خطاب ؓ کی شہادت کے بعد سیدنا علی ؓ نے ان کا نکاح اپنے بھتیجے عون بن جعفر سے کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفر نے اور ان کے بعد عبداللہ بن جعفر ؓ نے ان سے نکاح کیا۔ انہی کے عقد میں سیدہ ام کلثوم ؓا وفات پا گئیں۔

سیدہ ام کلثوم ؓا کا سفر آخرت

سیدہ ؓا کے بیٹے سیدنا زید بن عمر ؒ ایک رات بنو عدی کے بعض افراد کے درمیان صلح کرانے کے لیے گئے تھے کہ کسی آدمی نے رات کی تاریکی میں انہیں زخمی کر دیا۔ بالآخر وہ شہید ہو گئے۔ جیسے ہی ان کی والدہ سیدہ ام کلثوم ؓا کو ان کی شہادت کی اطلاع ملی تو اُن پر غشی طاری ہو گئی اور اسی حالت میں وہ وفات پا گئیں۔ إنا للّٰه و إنا إليه راجعون.

سیدہ ام کلثوم ؓا کی نماز جنازہ

سیدنا حسن ؓ کی فرمائش پر سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ نے اپنی سوتیلی والدہ (سیدہ ام کلثوم ؓا) اور بھائی سیدنا زید بن عمر ؒ کا جنازہ پڑھایا۔ عظیم ماں اور عظیم بیٹے کو ایک ہی وقت میں سپرد خاک کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں پر اپنی رحمت کی بارش برسائے۔ آمین.[1]

[1] الإصابة:8/293.

قصص ذهبية من حياة
سيدہ خديجہ رضي اللہ عنها
(باللغة الأردية)

زیر نظر کتاب میں مسلمانوں کی عظیم ماں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے ان تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے جو مسلم بچیوں اور خواتین کے لئے ہی نہیں مردوں کے لیے بھی مشعل راہ ہیں۔ یہ ہماری وہ عظیم ماں ہیں جو دور جاہلیت میں بھی طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔

کتاب میں سیدہ کی عقل وفہم، دینداری، ایمانداری، اخلاص، ثابت قدمی، وفا شعاری اور مجاہدانہ کردار کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا ہے گویا قاری اسی دور میں موجود ہے اور ام المؤمنین کی زندگی کا بچشم خود مشاہدہ کر رہا ہے۔ کتاب میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے اہم ترین واقعات کے ساتھ ساتھ ان کی اولاد اور اہل بیت کی زندگی پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔

اس سارے عمل میں تحقیق کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ضعیف و بے اصل واقعات سے اجتناب کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب امت مسلمہ کی خواتین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

دار السلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
9786035001649
دار السلام
DARUSSALAM